دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.10	مارچ/اپریل ۲۰۱۵ء (March.April 2015) جمادی الاولیٰ/جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ	Issue.No.1,2

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا حسن مرچی مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا حافظ محمد ایوب مولانا محمد زکریا پٹیل
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ✿ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ✿ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر	مدیر انتظامی	مدیر معاون
محمد مسعود عزیزی ندوی	حافظ عبدالستار عزیزی	ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood_azizinadwi@yahoo.co.in
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ............۲۰/روپئے
سالانہ............۲۴۰/روپئے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/09813806392

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

iles\A017.TI not found.

Files\A025.TIF not found.

iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
دوروزہ دعوتی اور تربیتی پروگرام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
پیغامات		
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی		۷
حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی		۸
حضرت مولانا ظریف احمد مدنی		۹
حرف تشکر		۱۰
خطبہ استقبالیہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مضامین		۱۲ تا ۳۳
کامیاب معلم کی خصوصیات	مولانا محمد اقبال ندوی	
تعلیم وتربیت نبوت کا اصل کارنامہ	مولانا کبیرالدین فاران مظاہری	
مدارس اسلامیہ اور امت کی زبونحالی	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
رپورٹ		۳۴
دوروزہ فکری، دعوتی اور تربیتی سیمینار	حافظ عبدالستار عزیزی	
روداد سفر		۳۹
حضرت مولانا ظریف احمد صاحب......	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
تجزیہ		۴۲
واسطو......ایک مختصر تحقیقی تجزیہ	مولانا فخرالدین قادری	
مرثیہ		۴۶
کہاں جاؤ، کدھر جاؤں سناؤں کس کو غم اپنا	مولانا عباس علی قاسمی	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	

گوشۂ تعلیم وتربیت

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
؍؍ ؍؍ اول اندرونی	؍؍ ؍؍ ؍؍	۲۵۰۰............
؍؍ ؍؍ آخر اندرونی	؍؍ ؍؍ ؍؍	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
۱/۴ صفحہ ؍؍		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰ روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں دوروزہ تربیتی پروگرام

دعوت فکروعمل

محمد مسعود عزیزی ندوی

۲۶/۲۵ رفروری کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد میں دوروزہ فکری وتربیتی پروگرام منعقد ہوا، یہ پروگرام ندوۃ العلماء کی طرف سے ہوا، ندوۃ العلماء ہر سال ملحقہ مدارس کے اساتذہ کے سلسلہ میں تربیتی پروگرام منعقد کراتا ہے، امسال یہاں مرکز میں یہ پروگرام ہوا، اس کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء نے اپنے ملحقہ مدارس کو دعوت نامے جاری کئے، اکثر ملحقہ مدارس کے اساتذہ شریک ہوئے، بعض مدارس کی نمائندگی نہیں ہوئی، غیر ملحقہ علاقہ کے مدارس کے ذمہ داران کو یہاں مرکز سے دعوت نامے جاری کئے گئے، اکثر بڑے مدارس کے ذمہ داران کو راقم نے خود دعوت دی، بعض دوسرے مدارس میں اپنا نمائندہ بھیجا، اس طرح علاقے کے تمام ہی قابل ذکر اداروں کو دعوت دی گئی، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ علاقہ کے اکثر بڑے مدارس کے ذمہ داروں کی طرف سے کوئی نمائندگی نہیں ہوئی، نہ کسی استاد نے شرکت کی، اور نہ ہی کسی کی طرف سے معذرت کا خط آیا۔

ایک بڑے ادارے کے ذمہ دار سے اچانک ان کے دفتر میں ملاقات ہوگئی، دعوت نامہ تو ان کو دینا تھا، مگر یہ اندازنہیں تھا کہ وہ مغرب بعد مل جائیں گے، راقم نے ان کو اپنی سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر جلدی سے ملاقات کی اور دعوت نامہ پیش کر دیا، انہوں نے فوراً کہا کہ اس کو ڈبلی کیٹ سمجھوں یا اصل، کیونکہ اس پر دستخط اور مہر نہیں تھی، میں نے کہا کہ میں سامنے موجود ہوں، اپنے ہاتھ سے دے رہا ہوں، انہوں نے فوراً مسئلہ بھی بتلایا کہ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ ہر چیز پر دستخط اور مہر ہونی چاہئے، راقم نے دستخط کر دئے اور یہ بھی وضاحت کی کہ مجھے اندازنہیں تھا کہ آپ اس وقت مل جائیں گے، اس وقت فلاں استاد کو ملنے آیا تھا، اچانک دیکھا کہ آپ بھی تشریف فرما ہیں، اس لئے جلدی میں یہ دعوت نامہ پیش کر دیا، مگر انہوں نے دعوت نامہ لیکر نہ تو اس وقت ہی آنے کے سلسلہ میں معذرت کی اور نہ ہی کوئی نمائندہ بھیجا اور نہ معذرت نامہ، اس وقت وہ بھول گئے کہ خط کا جواب دینا بھی اسلامی طریقہ ہے، علماء کرام کو دھیان رکھنا چاہئے کہ اگر ان کا علمی حرج نہ ہو تو معذرت کا خط لکھنا، یا فون کر دینا چاہئے، سب کا سب جگہ پہنچنا ممکن بھی نہیں اور ضروری بھی نہیں، مگر جب کوئی دعوت تحریری طور پر ملی ہے، تو اس کی معذرت یا عدم حضوری کی اطلاع دینا بھی اخلاقی فریضہ اور اسلامی طریقہ ہے، کسی کو حقیر، معمولی اور لایعنی سمجھ کر نظرانداز نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کو اہمیت دینی چاہئے، اس سے آپ کی قدر گھٹے گی نہیں، بلکہ آپ کا وقار بلند ہوگا اور معاشرے میں زیادہ باعزت اور ذمہ دار سمجھے جائیں گے اور دلوں میں بعد بھی نہیں ہوگا، بس ''العاقل تکفیہ الاشارۃ'' ایک جگہ ایک واقعہ پیش آیا، ایک بڑے ادارے کے ذمہ دار بڑے عالم ایک مدرسہ میں تشریف لائے، جہاں مدرسہ والوں نے مہمانوں کے استقبال میں سفید چادریں بچھا رکھی تھیں، تو بڑے مدرسے کے بڑے ذمہ دار نے فوراً تنقید کی اور ان مدرسہ والوں کی سفید چادروں کو اکابر کے طرز عمل کے خلاف بتلایا، جبکہ خود بڑے ذمہ دار صاحب نے اپنے ادارے میں خرافات میں کہئے یا تزئین کاری میں قوم کا بڑا پیسہ ضائع کر رکھا ہے، وہ واقعی اکابر کے طرز کے خلاف ہے۔

ابھی ۱۲؍ مارچ کو ہمارے یہاں مولانا عیسیٰ صاحب منصوری ولڈ اسلامک فورم یو کے کے چیئرمین تشریف لائے، جو کئی ماہ سے مدارس کے دورے پر تھے، انہوں نے بہت دکھ بھرے انداز میں کہا کہ اس مرتبہ بہت زیادہ تکلیف ہوئی، اور بہت مایوسی ہوئی کہ مدارس کی عمارتیں شاندار ہیں، سب سہولتیں ہیں مگر مقصد لاحاصل، نہ تربیت، نہ روحانیت، نہ سلیقہ، نہ علم کی پختگی، نہ عملی کردار، نہ زمانہ پر نظر، نہ سرمایہ حیات سے واقفیت، نہ جدید کی معلومات اور نہ ہی قدیم پر گرفت، علامہ اقبال نے جو کہا تھا کہ: ؎

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک ❁ نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

وہ صحیح تھا، اور اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی، اور حال یہ ہے کہ ذمہ داران مدارس کو اگر اس سلسلہ میں کوئی کچھ کہہ دے تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے، کچھ روز قبل ایک دیندار پروفیسر نے اپنے ایک مضمون میں مدارس کے پروردہ لوگوں کو غیر تربیت یافتہ اور اٹکل سے کام کرنے والے جیسے کچھ کلمات لکھ دیئے تھے، تو ہمارے کئی علماء کو یہ بات ناگوار گزری، یہاں تک کہ ان کے جواب میں مضمون لکھا گیا، جو شائع ہوا، علامہ اقبال کے اس شعر پر بھی بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ کچھ خامیاں ضرور ہیں، جن کی اصلاح کی ضرورت ہے، ایک مدرسہ کے ذمہ دار کا کہنا ہے کہ اجی ہماری مغفرت کیلئے تو یہی کافی ہے کہ ایک ہزار بچے ہمارے یہاں کھانا کھاتے ہیں، یعنی تعلیم وتربیت کوئی مقصود نہیں، بس ایک ہزار کھانا کھا رہے ہیں، حالانکہ مغفرت کے لئے اگر اللہ کو پسند آجائے تو بلی کو بستر میں چھپالینا اور پیاسے کتے کو پانی پلانا بھی کافی ہے، مگر ان بڑے بڑے اداروں کا قیام اور قوم کے ان بچوں کا تو کوئی اور ہی مقصد ہے، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کی زندگی کے اندر اسلامی طور وطریق کو پیوست کرنا ہے، ایک عالم دین نے ایک واقعہ بتلایا کہ مظاہر علوم کے ایک بڑے استاد ایک مدرسہ کے خزانچی تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ذمہ دار مال میں خرد برد کر رہے ہیں، تو یہ مظاہر کے استاد اس مدرسہ کے خزانچی ہونے کی وجہ سے مدرسہ کا حساب دیکھنے پہنچ گئے، مدرسہ کے ناظم صاحب معاملہ سمجھ گئے، انہوں نے خزانچی صاحب سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں خزانچی ہوں، ناظم صاحب نے پوچھا کہ آپ کو کس نے خزانچی بنایا؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے، ناظم صاحب نے کہا کہ آج سے آپ خزانچی نہیں۔

❁❁❁❁❁ ❁❁❁❁❁

جب کوئی عہدہ ومنصب پر ہوتا ہے تو وہ اپنے چھوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتا، یہ عام لوگوں کی بات ہے، مگر خواص ہمارے علماء بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں، وہ بھی سیٹ پر بیٹھ کر یا کسی منصب پر بیٹھ کر اپنے چھوٹوں کو کچھ نہیں سمجھتے، اپنے چھوٹوں کو یا کسی چھوٹے مدرسہ والوں کو تو احمق اور بیوقوف سمجھتے ہیں، اس پہلو پر ہمارے تمام ہی علماء کو یکسوئی اور تنہائی میں سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ وہ کسی بڑے مدرسے، یا کسی بڑی تحریک یا ادارے کے ذمہ دار ہیں، اگر اخلاق نبویؐ ان میں نہیں ہوں گے، تو ان کا بڑے ادارے کا ذمہ دار ہونا ان کے کوئی کام نہ آئے گا، اس لئے کہ اصل تو بڑا آدمی اخلاق سے بنتا ہے، علم سے، مال سے، منصب اور عہدے سے بڑا نہیں بنتا، کیونکہ جو لوگ اس طرح اپنے آپ کو بڑا ثابت کرانا چاہتے ہیں، ان کی مثال حکمرانوں اور بادشاہوں جیسی ہے، جن کی تعظیم احتراماً نہیں بلکہ ان کے شر سے بچنے کیلئے کی جاتی ہے، اس لئے بادشاہوں کے مقبرے جا کے دیکھ لیئے جائیں جو غیر آباد ملیں گے اور وہاں کتے بلی قلابازیاں کھاتے ملیں گے، اور بزرگان دین کے مزارات بھی دیکھ لیجئے، جن کے ہم نام لیتے ہیں، اور جن کے تقدس کی ہم قسمیں کھاتے ہیں،

ان کے مزارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں، اور انکی عظمت واحترام دلوں میں پیوست ہے، یہ چیز ان کے اعلی اخلاق وکردار کی بنا پر ہے، چھوٹا منھ بڑی بات، یہ ایک محاورہ ہے، مگر چھوٹے منھ سے کبھی اچھی بات بھی نکل جاتی ہے، اس وقت طبقہ خاص میں خاصا بگاڑ آ گیا ہے، اجمالی طور پر اگر دیکھا جائے تو استکبار، اتباع ہوی، مال کی محبت، مفاد پرستی، تحریف دین، مکروفریب، خفیہ تدبیر اور سازش، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اعراض، جزئیات وفروعات میں الجھنا اور الجھانا، حسد، بغض اور دوسرے کے تئیں عدم اعتراف جیسی بیماریاں بگاڑ کے خاص اسباب معلوم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ امت مسائل سے دوچار ہے، ضرورت ہے کہ امت کا طبقہ خاص اپنے اندر سدھار پیدا فرمائے، ان بیماریوں کا تدارک اور سدھار کیسے ہوگا، احساس عبدیت اجاگر کیا جائے، ایثار وقربانی، مراقبہ ومحاسبہ اور احتساب کا نظام بنایا جائے، سادگی اور تواضع زندگی میں اختیار کی جائے، اگر یہ تدابیر اختیار نہیں کی گئیں اور سدھار نہیں آیا، پھر سن لیجئے، اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں، پھر اس ملک کو اسپین بننے سے کوئی نہیں روک سکتا، اندلس جہاں پر بڑے بڑے دارالعلوم، بڑے بڑے مدارس، بڑی بڑی خانقاہیں اور ہزاروں علماء اور بزرگان دین تھے، مگر ان کے اندر بگاڑ آ گیا تھا، وہ تمام باتیں ان میں پیدا ہوگئیں تھیں، جو اس وقت یہاں کے علماء کے اندر ہوگئیں ہیں، پھر اللہ نے ان کی پرواہ نہیں کی، اور اندلس میں اسلام کی کئی سوسالہ شان وشوکت تہ وبالا ہوکر رہ گئی، نہ وہ علماء رہے، نہ وہ خانقاہیں، نہ ہی وہ مدارس جو کبھی اسلام کے زبردست قلعے تھے۔

دراصل ہمارے مدارس میں تربیت یعنی ٹریننگ کا نظام نہیں ہے، جیسے اس زمانے میں بہت سے مدارس میں تخصُّصات کے شعبے کھولے جارہے ہیں، تو ٹریننگ اور تربیت کا شعبہ بھی ہونا چاہئے، اب اگر کوئی کہہ دے کہ مدارس کا سارا نظام اٹکل سے چل رہا ہے، تو ہمارے طبقہ کے لوگ ناراض ہوجاتے ہیں، ناراض ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، تربیت کے جس طرح بچے محتاج ہیں، اسی طرح اساتذہ اور بڑے حضرات بھی محتاج ہیں، مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اپنے پیغام میں فرمایا: ''تربیت وہ عمل ہے جو انسان کے اخلاق وکردار کو بہتر بنانے میں بنیادی اور کامیاب ذریعہ بنتی ہے، وہ بچے کو بہتر بچہ بناتی ہے، طالب علم کو بہتر طالب علم بنانے میں اور استاد کو بہتر استاد بنانے میں بہت اہم مدد کرتی ہے، ہر ایک کے لئے تربیت کے طریقے الگ الگ ہوتے ہیں، اسی ضمن میں اساتذہ کی تربیت بھی آتی ہے'' راقم یہ سمجھتا ہے کہ ذمہ داران کی تربیت بھی اسی ضمن میں آتی ہے، اسلئے کہ بغیر تربیت کے جو ذمہ دار بنے گا، وہ اٹکل سے کام کرے گا، اس کے نتائج خاطر خواہ نہیں ہوں گے، دنیوی اور عصری درسگاہوں میں ہر میدان کے لئے ٹریننگ اور تربیت کا شعبہ ہوتا ہے، اس کے بعد ہی اس شعبہ کی ذمہ داری اس تربیت یافتہ شخص کو سونپی جاتی ہے، ہمارے علماء اور مدارس کے ذمہ داران اس کے زیادہ مستحق تھے، کیونکہ انہوں نے ہی دنیا کو نظام عطا کیا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنہوں نے میدان کارزار میں نمایاں کارنامے انجام دئے، جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے، کیا وہ یونہی اٹکل سے بن گئے اور کامیاب ہوگئے، صحابہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا، صحابہ کرام نے سپہ گری سیکھی، جنگ کے اصول سیکھے، تلوار چلانا سیکھا، پڑھنا پڑھانا، گھوڑسواری سیکھی، ادھر انکی محنت، ادھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کہ وہ کندن بن گئے بلکہ دنیا کے امام بن گئے، پھر معلوم نہیں آج کل ہمارے علماء کے سامنے جب یہ بات رکھی جاتی ہے تو کیوں ان کو چڑ سی ہوتی ہے، اور اپنی پرانی ڈگر سے ہٹنے کے لئے کیوں

تیار نہیں ہوتے، تعلیم وتربیت کی بات سب کرتے ہیں مگر عملاً وہ اس سے کورے ہوتے ہیں، اس وقت بڑے احترام کیساتھ اپنے تمام علماء سے گزارش کی جاتی ہے کہ اصلاح وتربیت کا یہ عمل شروع کیا جائے، انشاء اللہ اس کا بڑا فائدہ ہوگا، ہم امت کا جو قیمتی اثاثہ مدارس میں خرچ کر رہے ہیں، وہ انشاء اللہ مفید، مثمر، اور کارآمد ہوگا، اسلئے اس وقت مدارس میں تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ، خانقاہی عمل، تزکیہ نفس اور ذکر واذکار کا ماحول قائم کیا جائے، اور اس کو لازم کردیا جائے، پھر امید ہے کہ انشاء اللہ جو کام ہورہا ہے، اس سے کہیں زیادہ اضعافا مضاعفہ ہوگا، یعنی کئی گنا زیادہ ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ مدارس میں کچھ نہیں ہورہا ہے، بلکہ جو ہورہا ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جانا چاہئے، مگر جتنا ہونا چاہئے اتنا نہیں ہورہا ہے، اور جس طرح ہونا چاہئے، اس طرح نہیں ہورہا ہے بلکہ کمیت میں بھی کمی ہے اور کیفیت میں بھی کمی ہے، بس ہر آدمی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد پر خوش ہے، اور اس کا کہنا ہے قولاً نہ سہی مگر عملاً کہ اپنا حقہ اپنی مروڑ، اس لئے اس وقت کسی کو ٹوکنا آسان کام نہیں ہے، حالانکہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' صرف عوام کے لئے ہی نہیں بلکہ خواص کے لئے بھی اسلام کا عظیم شعبہ اور امت مسلمہ کا عین فریضہ ہے۔

اس وقت اصلاح وتربیت کی سب سے زیادہ ضرورت علماء کرام کو ہے، خدا کرے کوئی مجدد پیدا ہو جائے، اور امت کے طبقہ خاص میں وہ روح پھونک دے اور ان کے اندر دینی حمیت کے ساتھ اخلاق نبوی کا نمونہ پیدا ہو جائے، پھر امت کے اندر بھی اصلاح ہوگی، اس لئے کہ عوام اور پبلک اپنے علماء اور بڑوں کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں، اور بڑوں کے اندر چپقلش، آپسی رنجش، ایک دوسرے کے تئیں عدم اعتراف، دوسرے ادارے یا دوسری شخصیت کا نام آتے ہی پیشانی میں بل کا آجانا یہ ایسا ناسور ہے، جس کا آپریشن ضروری ہے، اللہ تعالی ہمارے تمام علماء کو سمجھ عطا فرمائے، اور اپنے علم کے ساتھ اپنے کردار کو بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تحریر علماء کی توہین ہے، بلکہ سچائی اور آئینہ ہے، ہمارا یہ رسالہ زیادہ تر اہل مدارس ہی کے پاس جاتا ہے، اس لئے دل کی یہ مخلصانہ بات تحریر کی گئی، کوئی کہنے والا تو ہونا چاہئے، اور راقم کی نیت میں خالص اصلاح ہے، توہین نہیں ہے، اللہ جانتا ہے، اس لئے دل کی گہرائیوں سے یہ باتیں لکھی جارہی ہیں، اور علماء کرام کے سلسلہ میں یہ باتیں سنی ہوئی نہیں بلکہ خود پیش آئی ہوئی ہیں، اہل علم حضرات کی اس طرح کی باتیں جب دیکھتا ہوں تو دل کڑھتا ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور ہمارے علماء کو صحیح کردار پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے علماء واکابر کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس لئے ہمارے علماء میں جو بھی اس مضمون کو پڑھے، وہ یہ نہ سمجھے کہ کس نالائق نے یہ لکھا ہے بلکہ تھوڑی دیر کے لئے یکسو ہو کر تنہائی میں سوچے کہ کیا واقعی یہ باتیں جو لکھی ہیں درست ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ خامیاں ہم میں ہیں یا نہیں؟ اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو اللہ کے لئے ان کو درست کرنے کی کوشش کیجئے، اور جو بھی کوشش کرے گا، اس کو فائدہ ہوگا، اور اس کے اہل تعلق کو فائدہ ہوگا۔

دوروزہ تربیتی پروگرام مجموعی اعتبار سے ماشاء اللہ بہت اچھا رہا، تمام شرکاء حضرات کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، اور انہوں نے تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جو کوشش اور قربانی کی ہے، جس کا اثر براہ راست نسل نو، امت کے نونہالوں اور طلبہ کرام پر پڑے گا، اللہ تعالی ان کی اس کوشش اور جدوجہد کو اور ان کی حاضری کو قبول فرمائے، علماء محققین، تجربہ کار مفکرین اور اساتذہ نے جو مقالات پیش فرمائے ہیں، ان تمام مقالات کو انشاء اللہ کتابی شکل میں بھی شائع کیا جائے گا، فی الحال فوری طور پر بزرگان دین کے پیغامات اور چند مقالات اور پروگرام کی رپورٹ کو ''گوشہ تعلیم وتربیت'' کے عنوان سے اس رسالہ میں شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

پیغام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برائے دوروزہ فکری وتربیتی سیمینار منعقدہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور

الحمد لله ، و الصلاة و السلام علی سیدنا محمد رسول الله ، و علی آله و صحبه و من والاه ، أما بعد!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد ضلع سہارنپور میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرف سے دینی مدارس کے اساتذہ کے فائدے کے لیے تربیتی وفکری پروگرام منعقد کئے جانے کی تجویز پر مجوزہ پروگرام کا انعقاد ہورہا ہے، یہ ایک مفید پروگرام ہے، مجھے خوشی ہوتی کہ مجھے بھی اس میں شرکت کا موقع ملتا، لیکن میری مصروفیات میں اس کی گنجائش نہیں نکلی، لہٰذا میں اس کے لیے صرف اظہارِ قدردانی پر اکتفاء کررہا ہوں۔

تربیت وہ عمل ہے جو انسان کے اخلاق وکردار کو بہتر بنانے میں بنیادی اور کامیاب ذریعہ بنتی ہے، وہ بچے کو بہتر بچہ بنانے میں، طالب علم کو بہتر طالب علم بنانے میں اور استاد کو بہتر استاد بنانے میں بہت اہم مدد کرتی ہے، ہر ایک کے لیے تربیت کے طریقے الگ الگ ہوتے ہیں، اسی ضمن میں اساتذہ کی تربیت بھی آتی ہے، اس کے لیے تعلیمی میدان میں کام کرنے والے تجربہ کار اساتذہ کے محاضرات اور آپس کے تبادلۂ خیالات کے ذریعے مقصد تربیت حاصل ہوتا ہے، تاکہ ان کے ذمے جو کام ہے وہ مزید بہتر طریقے سے انجام دیں۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے اس تربیتی پروگرام میں قرب وجوار کے دینی مدارس کے اساتذہ جمع ہورہے ہیں، امید ہے کہ وہ اس پروگرام میں فائدہ اٹھائیں گے اور فائدہ بھی پہنچائیں گے، دعاء ہے کہ یہ پروگرام زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو۔ والسلام

دعاگو

F:\
C:\Documents
and

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴۳۶/۰۴/۲۹ھ

۲۰۱۵/۰۲/۱۹ء

پیغام

پیرطریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی

جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب ناظم مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد سہارنپور

آپ نے اپنے یہاں دوروزہ فکری، دعوتی اور تربیتی پروگرام میں آنے کے لئے بار بار کہا، لیکن میں اپنے گھٹنے کی وجہ سے معذور ہوں، معذوری اس درجہ کی ہے کہ میں مسجد میں بھی نہیں جاپاتا، گھر سے خانقاہ اور خانقاہ سے گھر تک ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر اور دوسرے ہاتھ میں لکڑی کا سہارا لیکر چلتا ہوں، اس لئے حاضری سے معذور ہوں، جیسا کہ آپ نے دیکھا بھی تھا، پروگرام کے لئے مضمون لکھنے کو آپ نے کہا تھا، اس لئے یہ مضمون املا کرا رہا ہوں، یہ مضمون سامعین کو پڑھ کر سنادیں:

مدارس والوں سے گزارش ہے کہ آپ حضرات بڑا مدرسہ بنانے اور اس کو ترقی دینے کی فکر تو کرتے ہیں اور جو بچے ضائع ہو رہے ہیں، ان کی فکر نہیں کرتے، اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ جو چھوٹے بچے غیروں کے اسکول جا کر ضائع ہو رہے ہیں، اپنے مدرسے میں ان کو لا کر ضائع ہونے سے بچائیں، جتنا آپ چھوٹے بچوں کا خیال رکھیں گے اتنا ان کے وارثین آپ کا اور آپ کے مدرسہ کا خیال رکھیں گے، اور جب وہ لوگ آپ کے مدرسے میں آئیں گے تو وہ خود آپ کے مدرسے کا خیال رکھیں گے اور آپ کی دلجوئی کریں گے اور آئندہ آپ کے لئے ہر چیز مہیا کریں گے، اس لئے ان بچوں کو سنبھال کر ان کو ترقی دیں اور ترقی کی صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قائم کردیئے جائیں، ہر بستی، ہر قریہ اور ہر محلّہ میں بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا بندوبست کردیا جائے، اس لئے اگر آپ نے یہ نہ کیا تو کیا ہوگا، مجھے بعض حضرات سے یہ خبر ملی کہ مشن کے ایک اسکول میں مسلمان بچوں کو ایک بڑے ہال میں جمع کر کے ان سے کہا گیا کہ تم لوگ اپنے اللہ سے کھانے کی چیزیں مثلاً ٹافی بسکٹ وغیرہ مانگو، دیکھیں تمہارا خدا تمہیں یہ چیزیں دیتا بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ان کم سن بچوں نے اللہ تعالی سے ان چیزوں کا سوال شروع کردیا، نتیجہ لا حاصل، پھر انہوں نے کم سن بچوں سے کہا کہ اچھا اب اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرو، اسی طرح انہوں نے دیگر اولیاء کرام کا نام لیکر ان سے سوال کرنے کو کہا لیکن ان کو کچھ نہ ملا، اخیر میں انہوں نے کہا کہ اچھا تم لوگ حضرت عیسی (علیہ السلام) سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرو، بچوں کے ہاتھ اٹھوا کر دعا میں مشغول کر کے ان میں سے ایک نے ایک سوئچ دبا دیا اور چھت سے ٹافی بسکٹ، چاکلیٹ اور اس طرح کی دیگر اشیاء جو بچوں کو زیادہ مرغوب ہوتی ہیں گرنے لگیں، اب ہمیں سوچنا ہے کہ اس طرح سے کیا ہمارے بچے مذہب اسلام پر قائم رہ رسکتے ہیں، سوچئے اور غور کیجئے، اگر اب بھی غفلت کی نیند سے بیدار نہ ہوئے تو کب ہوش آئے گا، اللہ تعالی ہم سب کی باطل عقائد سے حفاظت فرمائے اور ہر بچے کو مکتب میں داخل کرنے کی فکر عطا فرمائے۔

بچوں کی دینی تعلیم سے اخروی کیا فائدہ ہے، وہ بھی سن لیجئے، حضرت امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) رقمطراز ہیں کہ ’’ایک دفعہ حضرت عیسی علیہ السلام کا ایک قبر سے گزر ہوا، آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب قبر کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے، اپنے کام سے فارغ ہو کر جب دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں، آپ کو اس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالی سے دعا مانگی، اللہ تعالی نے وحی بھیجی اے عیسی! یہ بندہ گنہگار تھا اور جب سے مرا تھا عذاب قبر میں گرفتار تھا، مرتے وقت اس نے بیوی چھوڑی تھی جو حاملہ تھی، اس سے ایک فرزند (لڑکا) پیدا ہوا، اس کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا، اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں پڑھنے بھیجا، اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، پس مجھے اپنے بندے سے حیاء آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر‘‘۔ میں آپ کے پروگرام میں ضرور حاضر ہوتا لیکن گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے نہ آسکا، اللہ تعالی آپ کے پروگرام کو کامیابی عطا فرمائے اور اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے۔ والسلام

File C:\Documents and Administrator\Deskto

محمد طلحہ کاندھلوی

پیغام

حضرت مولانا ظریف احمد صاحب مدنی مقیم حال دوحہ قطر

رئیس ’’معہد الرشید الاسلامی‘‘ جگادھری، یمنا نگر (ہریانہ)

برائے دوروزہ فکری، دعوتی اور تربیتی سیمینار

بتاریخ ۲۵/۲۶ رفروری ۲۰۱۵ء منعقدہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور

حضرات علماء کرام واساتذہ مدارس اسلامیہ!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد میں اس دوروزہ فکری وتربیتی پروگرام پر ذمہ داران مرکز کو مبارک باد دیتا ہوں اوراس پروگرام کی قدر کرتا ہوں، پروگرام کی مناسبت سے دل میں ایک داعیہ وجذبہ پیدا ہوا کہ آپ حضرات کی خدمت میں دل کی چند باتیں پیش کردوں۔

حضرات! اس وقت مدارس اسلامیہ کے ماحول میں روحانیت کی بہت ضرورت ہے، بغیر روحانیت، بغیر تعلق مع اللہ کے، بغیر ذکر وفکر کے متوقع نتائج ممکن نہیں، جہاں ہم زندگی میں دوسرے تمام جائز وسائل اختیار کررہے ہیں، وہیں ہمیں ان چیزوں کو پورے طور پر اختیار کرنا ہوگا، یہ سارے مسائل، سارے مصائب ومشکلات اور الجھنوں کا حل ہے، اس لئے اس کی شدید اور بے حد ضرورت ہے، ہمارا پڑھنا پڑھانا، درس وتدریس، وعظ وارشاد، تصنیف وتالیف، تحقیق ونظر اور فکر وعمل سارا کا سارا روحانیت کے بغیر الفاظ کا ایک گھروندا اور فریب نفس کا ایک خوبصورت غیر مستحکم محل ہے۔

تمام اساتذہ کرام سے گزارش ہے کہ درس وتدریس کے ساتھ ذکر کا، تہجد کا، نوافل کا، تلاوت کلام پاک کا، مراقبہ ومحاسبہ کا، قلب ودماغ کی صفائی کا، اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کا، اخلاق رذیلہ چھوڑنے کا اور نفس کے تزکیہ کا ضرور اہتمام کریں، اس سے انشاء اللہ تعلق مع اللہ پیدا ہوگا، اور روحانیت میں ترقی ہوگی، زندگی میں سکون وطمانینت حاصل ہوگا اور مدارس میں نکھار پیدا ہوگا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے، اللہ تعالی مجھ سیہ کار کو بھی اور تمام شرکاء سیمینار کو بھی ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

۲ر جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ — ظریف احمد مدنی

file C:\Documents and

۲۱ر فروری ۲۰۱۵ء — دوحہ قطر

حرف تشکر

خطبہ استقبالیہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ کی حمد وثنا کے بعد سب سے پہلے ہم آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری اور ارباب ندوہ کی دعوت پر لبیک کہا اور بڑی خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ حضرات نے دور دراز کا سفر طے کرکے اور موسم کی نزاکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس پروگرام کو رونق بخشی، میں اپنے تمام کارکنان ساتھیوں کے ساتھ سبھی واردین اور صادرین کا بصمیم قلب خیر مقدم کرتا ہوں کہ آپ اس وقت مظفرآباد کے اس ادارہ ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' میں جلوہ افروز ہیں، جو شہر سہارنپور سے تقریباً ۳۰/ کلومیٹر کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، مظفرآباد سولہویں صدی میں مغل بادشاہ اکبر کے سپہ سالار سید مظفر حسین نے آباد کیا تھا، جس کی آبادی اس وقت ۲۹۶۷/ افراد پر مشتمل ہے، ۵۸۶۰ ووٹر ہیں، جن میں ۳۱۰۰/ ووٹ صرف مسلمانوں کے ہیں، یہ علاقہ گھاڑ کہلاتا ہے، یہاں کے لوگ عام طور سے اپنی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے ہیں، جو محنتی اور جفاکش ہیں، تعلیم کی کمی کی وجہ سے ذہنی پسماندگی کا شکار ہیں، اس ادارے ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کا قیام علماء حق خاص طور سے مرشد الامت حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی ۲۰/ رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۰ء جمعرات کے روز عمل میں آیا تھا۔

یہ ادارہ جو اپنی بے سروسامانی کی حالت میں قائم ہوا تھا محض فضل الٰہی اور اپنے مخلص معاونین کی توجہ وبرکت سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے، جہاں اس وقت دو سو طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، لڑکوں اور لڑکیوں کے مدرسوں کی عمارتیں الگ الگ ہیں، جن میں مختلف شعبے چل رہے ہیں، دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم کا بھی بندوبست ہے، بچیوں کے دس پیچ بخاری شریف پڑھ کر فارغ ہو چکے ہیں، علماء وفضلاء مدارس کیلئے دوسالہ ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر کا شعبہ بھی چل رہا ہے، طلبہ کو کمپیوٹر بھی سکھایا جاتا ہے، طالبات کے لئے خیاطی اور کشیدہ کاری کا شعبہ بھی قائم ہے اور دعوت واصلاح کے میدان میں بھی کام ہو رہا ہے، دعوت واصلاح کے شعبہ سے اب تک ۳۸/ کتابیں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، اسکے علاوہ ادارہ سے پچھلے ۹/ سالوں سے ایک ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے نام سے مسلسل نکل رہا ہے، جو ماشاء اللہ مقبول ہو رہا ہے۔

ان تمام تعلیمی اور دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ اب ارباب ندوہ کے ایماء پر ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس کے کردار کو بلند کرنے اور اساتذہ مدارس کے فن تدریس کے سلسلہ میں معلومات فراہم کرنے کیلئے یہ سیمینار منعقد کیا جارہا ہے، جس میں آپ حضرات تشریف فرما ہیں، آج کل کے پرآشوب وپرفتن حالات میں مدارس اسلامیہ کی اہمیت وافادیت بڑھ جاتی ہے، جب کہ ہر چہار جانب باطل اپنی سرگرمیاں جاری کئے ہوئے ہے، اور ہر طرف اسلام کی شمع کو بجھانے کی کوشش کی جارہی ہے: ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایسے حالات میں یہ مدارس ہی امید کی کرن معلوم ہوتے ہیں، جن سے ملت اسلامیہ کی بقاء وتحفظ کا کام لیا جاسکتا ہے، اور ماضی میں بھی ان مدارس ہی کا کردار رہا ہے، ان مدارس نے ہی امت مسلمہ کے اندر ایمان کی روح اور جان پھونک رکھی ہے، اور یہ امت اپنے ایمانی تشخص کے ساتھ باقی ہے، اگر یہ مدارس نہ رہے تو ملت اسلامیہ کا اپنے صحیح تشخص پر باقی رہنا مشکل ہو جائے گا، اس لئے مدارس کے کردار اور مدارس کے کاموں میں جلا بخشنے کی شدید ضرورت ہے، جس کے لئے اساتذہ مدارس کو اپنے اندر ایک حرکت وجذبہ اور شوق وولولہ پیدا کرنا ہوگا، اور ضرورت کے مطابق بچوں کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ان کی تعلیم وتربیت کی فکر کرنا ہوگی، جب اساتذہ کرام سرگرم اور ایکٹیو ہو جائیں گے اور وہ اپنے مفوضہ امور کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو جو کھیپ وہ تیار کریں گے وہ انقلابی کھیپ ہوگی، جس سے زندگی کے

کشت زاروں میں نمی آئے گی اور نئی نسل ایک زبردست انقلابی امت کی شکل میں وجود پذیر ہوگی، جو زندگی کے ہر شعبے میں بیداری پیدا کردے گی اور امت صحیح ڈگر پر چل کر کام کرنے لگے گی۔

آج کل ذرائع ابلاغ اور میڈیا مدارس کے بارے میں کیا رول ادا کر رہا ہے، کیسی گھناؤنی تصویر پیش کر رہا ہے، جو اخلاقیات کے ادارے، انسانیت کے چشمے اور اسلامیات کے پاور ہاؤس ہیں، ان کو نت نئے عنوانوں سے تعبیر کیا جارہا ہے، ان کو بدنام کرنے کی، ان کے کردار کو مسموم کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں، یہ سب آپ کے سامنے ہے، ایسے حالات میں ہماری کیا ذمہ داری ہونی چاہئے، ہمیں کیا انداز اور کیا کردار پیش کرنا چاہئے، ہمارا رول مدارس کے تئیں کیا ہونا چاہئے، تعلیمی اور تربیتی میدان میں ہمیں کن اصول وضوابط کو اختیار کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں ہمیں ذرائع ابلاغ کو بھی استعمال کرنا چاہئے بلکہ موجودہ حالات میں ایک متبادل میڈیا سامنے آنا چاہئے جس کے ذریعہ ہم مدارس کا صحیح کردار پیش کرسکیں اور مدارس کے کاموں کو اجاگر کرسکیں اور امت کو صحیح پیغام پہنچاسکیں۔

اسی طرح دور حاضر میں مدارس کے خلاف باطل تحریکیں اور تنظیمیں کیا سازشیں رچ رہی ہیں، ان کے تئیں بھی ہمیں سوچنا اور غور کرنا ہے کہ مدارس اور اہل مدارس کو کیا کرنا چاہئے، پھر آج کل مدارس میں عربی زبان وادب اور اس کے قواعد کی تدریس اور تفسیر وحدیث کی تشریح کے سلسلہ میں کیا منہج اختیار کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں بھی غور وفکر کرنا چاہئے تاکہ ایک اچھا لائحہ عمل تیار ہوسکے، اس میں بچوں کی نفسیات کا بھی خاص خیال رکھا جائے، اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کا پہلو بھی پیش نظر رہے، کیونکہ تعلیم کے ساتھ جس قدر بہتر تربیت ہوگی، اتنے ہی بہتر نتائج سامنے آئیں گے، اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں چونکہ ایک معلم کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اس لئے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ معلم کیسا ہو اور اس کے کیا اخلاق ہونے چاہئیں، اس کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، اس پر بھی روشنی ڈالی جانی چاہئے، تعلیمی اور دعوتی میدان میں مدارس ملحقہ کی کیا ذمہ داریاں ہوسکتی ہیں، اور موجودہ دور میں دعوت کا کیا صحیح اسلوب اور طریقہ کار ہے، اس پر بھی غور کرنا ہے۔

تمام موضوعات آپ کے سامنے آئیں گے، کھل کر تمام موضوعات پر بحث ہونی چاہئے، آپ تمام حضرات بھی اپنے تجربات اور اپنی آراء کو پیش کیجئے، تاکہ ان کی روشنی میں ایک اچھا طریقہ کار اختیار کیا جاسکے، یہ تمام موضوعات وقت کی آواز اور ضرورت ہیں اور تحریک ندوۃ العلماء نے ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سمجھا ہے، اور پھر ان ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، یہی اس تحریک کا طرہ امتیاز ہے، دراصل ندوۃ العلماء زمانے کی ایک نبض شناس تحریک ہے، اور اس کی موجودہ حالات میں پہلے سے زیادہ ضرورت ہے، اس لئے اس کی معنویت اور افادیت کو بھی سمجھنا چاہئے، ان تمام باتوں کے سلسلہ میں آپ حضرات کو جمع کیا گیا ہے، تاکہ آپس میں مذاکرہ ہوجائے، اور ایک اچھا لائحہ عمل سامنے آجائے، تاکہ فن تدریس کے اندر نکھار اور جلا پیدا ہوسکے، کیونکہ مدارس سے تیار ہونے والی کھیپ کو اچھے انداز پر ڈھالنے کے لئے فن تدریس ہی ایک بہترین ذریعہ ہے، اس لئے تدریس اور اس کے طریقہ کار کو عمدہ سے عمدہ بنانے کی ضرورت ہے، خدا کرے یہ پروگرام اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو، اور ندوۃ العلماء نے زمانے کے مطابق اپنی افادیت اور اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے جو آواز لگائی ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ کامیابی ہوسکے، اور نئی نسل کے اندر یہ جوہر پیدا ہوسکیں، اللہ تعالی کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ انشاء اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے۔

آخر میں آپ تمام حضرات کا ایک بار پھر دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ اس سیمینار کا جو مقصد اور پیغام ہے، اس کو ساتھ لیکر جائیں اور مدارس کے نظام کو اس سے جلا بخشیں اور طرز تدریس میں نکھار پیدا کریں، اور طلبہ عزیز کے اندر کچھ کرگزرنے کا جذبہ پیدا کریں اور اس پیغام کو پوری دنیا کے سامنے اس نہج پر پیش کریں کہ اس مشن میں زیادہ سے زیادہ کامیابی نصیب ہو، اور طالبان علوم نبوت کے لئے فیض رسانی کا زیادہ سے زیادہ ذریعہ ہو، اللہ تعالی تمام مندوبین اور شرکاء کی حاضری کو قبول فرمائے اور ہمارے اس سیمینار کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے اخیر میں یہ شعر آپ کی نذر ہے:

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

❁❁❁❁

کامیاب معلم کی خصوصیات

مولانا اقبال احمد ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چشم تصور وا کیجیے اور آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد، اور آدم خاکی کے زمین پر تشریف لانے سے قبل، فرشتوں کیلئے اللہ کے اس اعلان پر غور کیجیے: "إني جاعل في الأرض خليفة"۔ (سورۃ البقرۃ:۳۰)

میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ اور نائب بنانے جارہا ہوں، فرشتے عرض کرتے ہیں: خداوندا! آپ کی عبادت اور تسبیح وتقدیس کے لیے ہم کیا کم ہیں کہ آپ ایک خونریز اور فتنہ پرور مخلوق پیدا کرکے اس کو اپنا خلیفہ بنائیں گے؟، ایک پُر ہیبت آواز گونجتی ہے: "إني أعلم ما لا تعلمون"۔ (سورۃ البقرۃ:۳۰)

خاموش رہو، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور پھر اُس خلیفہ کو تعلیم کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کرنے کے بعد فرشتوں کے سامنے پیش کرکے ان سے مقابلہ کرایا جاتا ہے تو اِسی علم کی بنیاد پر وہ فرشتوں سے آگے نکل جاتا ہے اور فرشتے اپنی کم مائیگی کا اقرار کرلیتے ہیں، ارشاد ہے: "و علّم آدم الأسماء كلها ثم عرضهم على الملائكة، فقال أنبئوني بأسماء هؤلاء إن كنتم صادقين، قالوا سبحانك لا علم لنا إلا ما علّمتنا، إنك أنت العليم الحكيم"۔ (سورۃ البقرۃ:۳۱-۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مختلف چیزوں کا نام بتا کر، اُنھیں چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہوتو اِن چیزوں کے نام بتاؤ، فرشتوں نے برملا اپنی کم علمی کا اعتراف کیا اور کہا بار الہا! ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے بتادیا، اس سے زائد ہمارے بس کا روگ نہیں۔

اِس کے بعد، چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ، یا یوں کہہ لیجیے کہ ۵۷۱ء کا سن تصور میں لائیے، زمین کا رشتہ ایک بار پھر آسمان سے جڑتا ہے، وحی کا فرشتہ، پہلی وحی ایک آفاقی الٰہی پیغام کی صورت میں لیکر غارِ حراء میں آتا ہے اور معلم انسانیت کو سناتا ہے: "اقرأ باسم ربك الذي خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأ و ربك الأكرم الذي علّم بالقلم، علّم الإنسان ما لم يعلم"۔ (سورۃ العلق:۱-۵)

پڑھیئے اپنے خالق و مالک اور رب کے نام سے جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا، پڑھیے اپنے اس ربِ اکرم کے نام سے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی اور انسانوں کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتے تھے، غور کیجیے، پڑھنے کا یہ آفاقی پیغام اور ربانی فرمان ایسے زمانے اور ایسے ماحول میں آیا جب خواندگی کے نام پر حروف شناسی کا بھی فقدان تھا، لیکن دنیا نے دیکھا کہ اُس معلم ومحسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو تعلیم دے کر انھیں ساری دنیا کا معلم ومربی بنادیا۔

حضرات! یہیں سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ معلّمی کا پیشہ بہت اعلیٰ اور اہم پیشہ ہے، یہ پیشہ تمام پیشوں سے افضل و اشرف ہے، کیوں کہ اِس کا رشتہ ربِ کریم کے نام سے جڑا ہوا ہے؛ لیکن پیشۂ معلّمی جس طرح ایک بڑی نعمت اور عظیم سعادت ہے، ویسے ہی انتہائی نازک اور ذمہ داری والا کام بھی ہے، یہ کارِ شیشہ وآہن ہے، یہ ایسا پیشہ ہے جس سے کم وبیش تمام انبیاء کرام علیہم السلام جڑے رہے، ہمارے اور آپ کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ساری زندگی معلّمی میں گزری، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما ہوتے تو اطاعت وعبادت کے فضائل، امورِ خانہ داری اور عام معاشرتی مسائل

کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، جب مسجد میں تشریف لاتے تو مسلمانوں کے مجمع میں طہارت وعبادت، حلال وحرام، حقوق وفرائض، اخلاق و معاشرت اور سیاست ومعیشت کے نکات ومعارف بیان فرماتے اور جب مجاہدین کا لشکرِ جرار، جہاد کے لیے کوچ کرتا تو اثنائے سفر اور عین میدانِ جنگ میں بھی خدا پرستی، اخلاق، طہارت و پاکیزگی اور احترامِ آدمیت کا سبق دیتے، اسی لیے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:"إنما بعثت معلّم" (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔(استاد ایک عظیم شخصیت از عبدالودود انصاری صفحہ ۹)

غرض معلّمی "کارِ نبوت" ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا مشن ہے، جس کی عظمت واہمیت آیاتِ کریمہ اور احادیث نبویہ شریفہ سے مبرہن اور روشن ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"هو الذي بعث في الأميين رسولاً منهم، يتلو عليهم آياته، ويزكيهم، ويعلّمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين"۔(سورۃ الجمعۃ: ۲)

یعنی اللہ ہی کی ذات ہے جس نے امیوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرمایا، جو اُن پر اُس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اُن کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور اُنھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ اِس سے قبل کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی میں تھے، اس آیت کریمہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت تین چیزوں پر مشتمل بتایا گیا ہے:

(۱) تلاوتِ آیاتِ قرآنی۔

(۲) تزکیۂ نفوس انسانی۔

(۳) تعلیم کتاب وحکمت و دانائی، یہاں کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت نبویہ اور دیگر دانائی و عقل مندی کی باتیں ہیں اور تزکیۂ نفس سے مراد ان کے عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح وتطہیر اور تمام ظاہری و باطنی برائیوں کا ازالہ ہے جسے ہم بالفاظِ دگر تربیت سے تعبیر کر سکتے ہیں، اسی لیے تعلیم وتربیت دونوں الفاظ ایک ساتھ آتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تعلیم ضروری ہے، اسی طرح تربیت بھی ضروری ہے، بلکہ تربیت کو بھی تعلیم کے معنی میں لیتے ہیں، اسی لیے عرب ممالک میں وزارتِ تعلیم کو وزارتِ تربیت بھی کہتے ہیں، ایک دیگر حدیث میں تو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ اپنے لیے "معلم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جیسا کہ ابھی گزرا، ارشادِ گرامی ہے:"إنما بعثت معلما" یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:"إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" یعنی مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے، اس طرح "تعلیم وتربیت" دونوں کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور اس کی ہم معنی دوسری آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تعلیم وتربیت کا کام کرنے والے علماء اور مخلص معلمین واساتذہ اور خاص طور سے علوم شرعیہ کے اساتذہ ومعلّمین انبیاء علیہم السلام کے وارث اور ان کے نائبین ہیں، جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:"العلماء ورثة الأنبياء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔(ابوداؤد، ترمذی)

اسی لیے اسلام نے پڑھنے پڑھانے یعنی تعلیم پر ابتداء سے ہی بہت زور دیا ہے۔قوموں کی ترقی اور عروج میں بھی تعلیم کا بڑا دخل ہے، جو قوم جتنی زیادہ تعلیم یافتہ ہوگی، اُتنی ہی زیادہ ترقی یافتہ ہوگی، اور برابر آگے بڑھتی چلی جائے گی اور اقوامِ عالم میں معزز بن کر رہے گی اور جو قوم جس قدر جاہل، اَن پڑھ اور علم سے نابلد ہوگی، وہ اُسی قدر تنزل و انحطاط اور ذلت وخواری کا شکار ہوگی، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں علم حاصل کرنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور اہلِ علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا:"يرفع الله الذين آمنوا منكم، و الذين أوتوا العلم درجات"۔(سورۃ المجادلۃ: ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان اور علم والوں کے درجے بلند فرماتا ہے، کہیں فرمایا گیا:"لا يستوي الذين يعلمون، و الذين لا

یعلمون" (سورۃ الزمر:۹) یعنی علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح حدیث شریف میں بھی علم کی بڑی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:"تعلّموا العلم و علّموه الناس" (بیہقی) یعنی علم سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، خاص طور پر قرآنِ کریم کی تعلیم دینے والے کی بڑی فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص سب سے بہتر اور افضل ہے، جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :"خیرکم من تعلّم القرآن و علّمه" (رواہ البخاري) کہیں ارشاد ہے:"العالم و المتعلم شريكان في الأجر" (ابن ماجہ) یعنی عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں، کہیں طلبِ علم کو جنت کی طرف لے جانے والا راستہ بتایا گیا، ارشادِ نبوی ہے:"من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهّل الله له به طريقاً إلى الجنة"۔(مسلم)

تعلیم صرف ایک معزز اور فضیلت والا عمل ہی نہیں بلکہ ایک اہم دینی فریضہ بھی ہے، اِسی سے دین کا قیام اور علم کا بقاء ہے، اگر تعلیم و تدریس کا سلسلہ بند ہوجائے تو علم کا خاتمہ ہوجائے گا اور ہر طرف جہالت کا دور دورہ ہوگا، لوگ اپنے دین، اخلاق اور تہذیب وتمدن سے نابلد اور دور ہوجائیں گے، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے تعلیم کا عہد و پیمان لیا:"و إذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس و لا تكتمونه"۔(آل عمران:۱۸۷)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد دینی علوم ہیں نہ کہ دنیاوی علوم، اگرچہ اسلام دنیاوی علوم سے بھی منع نہیں کرتا بلکہ اُن کو بھی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، لیکن شریعت کی نظر میں مقصودِ اصلی اور علمِ مطلوب دینی علوم ہی ہیں۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نسلِ نو کی بہترین پرورش کی ذمہ داری عمومی طور پر دو لوگوں پر ڈالی گئی ہے، ایک والدین اور دوسرے اساتذہ، اور شاید یہی دنیا کا وہ واحد کام ہے جس میں ایک سے زیادہ لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن بعض بچے دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بچپن ہی میں والدین کی نعمت سے محروم ہوجاتے ہیں، اِس صورتِ حال میں اُن کی تعلیم وتربیت اور پرورش و پرداخت کی مکمل ذمہ داری اُن کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے، اِسی سے اِس کام کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور جس طرح دنیا کا کوئی بھی کام اُس وقت تک مکمل اور دل پسند نہیں ہوسکتا جب تک اُس کا کرنے والا اُس کے لیے ضروری صفات سے بہرہ ور نہ ہو، تعلیم وتربیت کا کام بھی ایک کامیاب معلم کے بغیر ادھوار ہے؛ کیونکہ تعلیمی نظام میں استاد و معلم کو نہایت ہی اہم مقام حاصل ہے جس کی قابلیت، شخصیت، صلاحیت اور محنت پر طالب علموں کی کامیابی و ناکامی کا انحصار ہے، طالب علم شعوری یا غیر شعوری طور پر استاد سے ہمیشہ متاثر ہوتا رہتا ہے، لہٰذا استاد و معلم میں وہ تمام خوبیاں ہونی چاہئیں جو طلبہ کی شخصیت میں چار چاند لگادیں، کیونکہ جہاں اِس پیشے سے جڑے معلم کے فرض کی ادائی سے دنیا اور آخرت میں فلاح و کامرانی ملتی ہے، وہیں اِس فرض سے ذرا سی غفلت یا کوتاہی دنیا اور آخرت دونوں میں ناکامی اور نامرادی کا سبب بنتی ہے۔

یہاں ایک بات خوب اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ کسی بھی استاد کا کمال یہ نہیں کہ وہ کتنا لائق و فائق ہے اور اپنے نام کے ساتھ کتنی ڈگریاں لکھتا ہے، بلکہ اُس کا کمال یہ ہے کہ اُس نے کتنے باکمال شاگرد پیدا کیے، یقین جانئے استاد اگر چاہے تو اپنی کیمیا گری سے مس خام (شاگرد) کو کُندن اور پتھر (شاگرد) کو پارس بنا سکتا ہے۔

اسی وجہ سے میرے مقالے کا موضوع ہی ہے:"ایک کامیاب معلم کی خصوصیات" اس لیے آیئے اب ہم کامیاب معلم کی خصوصیات کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ایک معلم کے اندر وہ کون کون سی خصوصیات ہونی چاہئیں جن کی بنا پر اُسے کامیاب معلم قرار دیا جاسکتا ہو۔

پیشۂ معلمی پر شکرِ الٰھی:

سب سے پہلے تو ایک معلم کو اِس نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اُس نے ہمیں اِس پیشے سے منسلک فرما کر ہمیں بھی تعلیم سے بہرہ ور فرمایا اور دوسروں کو بھی تعلیم دینے کی

توفیق بخشی، نیز دنیا کا دستور ہے کہ انسان کا ہر کام میں کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوا کرتا ہے، لہٰذا اِس پیشے میں ہمارا بھی ایک آئیڈیل ہونا چاہئے اور وہ آئیڈیل معلمِ انسانیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے علاوہ بھلا کون ہوسکتا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ ''اِنما بعثت معلماً'' اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجو الله و اليوم الآخر، و ذكر الله كثيراً"۔(الاحزاب:۲۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے، اور اُس سے وہی شخص فیضیاب ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت والے دن پر یقین رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اِس پیشے میں بھی پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق کو ہی اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں؛ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے شعبے میں بھی معلّمین و مدرسین کی ایسی رہنمائی فرمائی کہ رہتی دنیا تک اُس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایسا چمکایا کہ بقول شاعر:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اخلاصِ نیت کا اهتمام اور ریاء و سمعت سے اجتناب:

دوسری چیز جو ایک معلم کے لیے انتہائی ضروری بلکہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اِسی سے اُس کے کاموں میں جان پڑتی ہے، وہ ہے اخلاصِ نیت کا اہتمام، اور ریاء وسمعت سے اجتناب، اپنی طرف سے اخلاصِ نیت اور اخلاصِ عمل کے بعد اگر لوگ معلم کی تعریف کریں تو وہ اُسے اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام سمجھے، یعنی ایک کامیاب معلم کے لیے سب سے ضروری وصف یہ ہے کہ وہ اپنے تدریس وتعلیم کے عمل میں مخلص ہو، اور اُس کا مقصود اِس عمل سے حصولِ رضائے الٰہی، احیاءِ علومِ کتاب وسنت، شریعت اسلامیہ کی نشر واشاعت، اصلاحِ معاشرہ اور لوگوں کو شرک وضلالت اور بدعات وخرافات سے نکال کر کتاب وسنت کی شاہراہ اور توحید وہدایت کے صراطِ مستقیم پر لگانا ہو، اِس سے اُس کا مقصد کوئی دنیوی غرض، حصولِ مال ودولت، جاہ ومنصب، معاصرین پر فوقیت، شہرت، طلبہ اور عوام کی بھیڑ جمع کرنا، دوسرے علماء کو شکست دے کر انھیں خاموش کرنا وغیرہ وغیرہ نہ ہو، یقین مانئے، اس سے معلم کے علم میں نور پیدا ہوگا اور اُس کا یہ عمل مقبول عنداللہ ہوگا۔

معلم کو اپنے پیشے سے دل چسپی و رغبت:

ایک معلم کو اپنے پیشے سے بھر پور دلچسپی اور رغبت ہونی چاہئے، بعض اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ اُن کا ارادہ درس وتدریس کی لائن میں آنے کا بالکل نہیں تھا مگر بحالتِ مجبوری یا حادثاتی طور پر استاد بن گئے، بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ میری قسمت خراب تھی کہ اسکول میں ٹیچر کی نوکری کررہا ہوں، ورنہ میرا ارادہ تو افسر بننے کا تھا، اگر اِس طرح کی بات کسی استاد ومعلم کے اندر ہوگی تو وہ کبھی ایک کامیاب اور مفید استاد نہیں بن سکتا، خواہ جتنا بھی تعلیم یافتہ ہو، سبب یہ ہے کہ کسی بھی عمل میں کامیابی کے لیے اُس کا شوق اور دلچسپی سے انجام دینا ضروری ہے، اگر کسی کام سے دلچسپی نہ ہو اور اُسے بادلِ ناخواستہ انجام دیا جائے تو پھر اُس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی ہے اور جو شخص بھی کسی کام کو اپنے دل کی آمادگی اور ہنسی خوشی انجام نہیں دے گا، اُس میں وہ کامیاب نہیں ہوگا، اِس لیے تعلیم وتربیت کے عمل میں بھی کامیابی کے لیے اُس سے دلچسپی ہونا اور شوق ورغبت سے انجام دینا ضروری ہے، اصل بات یہ ہے کہ اساتذہ اگر اپنے آپ میں ذوق وشوق اور محنت کی لگن رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب پر کام کرنے کے ایسے مفید و موزوں طریقے القاء فرماتے ہیں جو طلبہ کے لیے بہت ہی کار آمد ثابت ہوتے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں کہیں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے سپرد کوئی کام کرتے ہیں تو اُسے کام کی سمجھ اور سلیقہ بھی عطا فرماتے ہیں، بشرطے کہ وہ شخص اپنے کام میں مخلص اور محنتی ہو۔

شاگرد کی قابلیت کا اعتراف:

اساتذہ کو اپنے شاگردوں کی قابلیت کا معترف بھی ہونا چاہئے اور اچھا کام کرنے پر ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی بھی کرنا چاہئے، اِس سے طلبہ میں ہمت و حوصلہ پیدا ہوگا اور مزید محنت کرنے اور پڑھنے کا جذبہ پروان چڑھے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: ’’تم نے جو کچھ مجھ سے حاصل کیا، اُس سے کہیں زیادہ میں نے تم سے استفادہ کیا‘‘ پروفیسر آرنلڈ جو علامہ اقبال کے استاد تھے، اقبال کی تعریف میں بلا جھجک کہتے ہیں کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے، امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمینؒ نے امام غزالیؒ کے بارے میں کہا تھا کہ میرے شاگردوں میں غزالی بحرِ زخار ہے۔ (استاد ایک عظیم شخصیت صفحہ ۲۷)

صبر و تحمل اور قوتِ برداشت:

ایک کامیاب معلم کے لیے قوتِ برداشت اور صبر و تحمل بھی بہت ضروری ہے، معلم کا مقام یہ ہے کہ وہ شاگردوں کو فرش سے عرش تک پہنچاتا ہے، لہٰذا اُسے ہر مرحلے پر بہت ہی مناسب رویہ اپنانا ہوگا، خصوصاً طلبہ کی شرارت کے موقعے پر معلم کو اپنے غصے پر قابو رکھنا ہوگا، اُس کے لیے ضروری ہے کہ معلم اپنی قوتِ برداشت میں اضافہ کرے اور اِس صلاحیت کو کام میں لاتے ہوئے تحمل کا مظاہرہ کرے، ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس واقعے میں ہم سب کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جارہا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک موٹی چادر اوڑھے ہوئے تھے، ناگاہ ایک بدو نے آکر آپ کی چادر اتنے زور سے کھینچی کہ اُس کا آپ کی گردن پر نشان پڑگیا، پھر وہ بدو کہنے لگا: اے محمد! آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا جو مال ہے، اُس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف مُڑے، اُسے دیکھا، ہنسے اور اُس کو دینے کا حکم دیا۔

غور فرمائیے، آج اِس گیے گزرے دور میں بھی کوئی شاگرد اپنے استاد کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرتا جیسے اُس اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا لیکن قربان جائیے اپنے آقا سید الانبیاء و المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے امت کو سکھلانے کے لیے اِس پر صبر کیا اور اُس کے ساتھ اخلاق برتا اور اُس کی درخواست پوری فرمائی، لہٰذا ہمیں بھی ایسی تکالیف پر صبر کرنا چاہئے۔

اِسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا، کسی شخص نے کہا: ”إن هذه لقسمة ما أريد بها وجه الله “ یعنی مال تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال نہیں رکھا گیا تو کہتے ہیں کہ میں نے آکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غصہ آیا، یہاں تک کہ میں نے غصے کا اثر چہرۂ مبارک پر دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”يرحم الله موسى ، لقد أوذي أكثر من هذا فصبر“ یعنی اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، موسیٰ علیہ السلام کو اِس سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن انھوں نے اُس پر صبر کیا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۴۰۵)

جھوٹ سے اجتناب ہو اور صدق و راستی اپنا شعار ہو:

ایک معلم کے لیے بہت ضروری ہے کہ جھوٹ سے قطعی اجتناب کرے اور صدق و راستی کو اپنا شعار بنائے، یہی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: ”الصدق ينجي و الكذب يهلك“ کہ راستی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله و كونوا مع الصادقين“ اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو، صدق بھی دو طرح کا ہوتا ہے، ایک صدق فی القول اور دوسرا صدق فی العمل، صدق فی العمل ایک معلم کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی غیر حاضری بلا شدید عذر کے نہ ہو، ادارے میں وقت مقررہ پر آئے اور آنے کے بعد درسگاہ میں دیر سے نہ پہنچے اور اپنی دیگر ذمہ داریوں کی

ادائی میں ہرگز کوتاہی نہ کرے تاکہ ہمارے قول وفعل میں تضاد نہ ہو یعنی ذمہ داری قبول کرتے وقت جو معاہدہ زبانی یا تحریری طور پر ہوا ہو، ہمارے افعال اور اعمال سے اُس کی تکذیب نہ ہوتی ہو۔

وقت کی پابندی اور درجے کی حاضری کا اہتمام:

اساتذۂ کرام اپنی اور طلبہ کی حاضری کا بھی پورا خیال رکھیں، اساتذہ کی غیر حاضری یا دیر حاضری زیادہ نقصان دہ ہے، کیونکہ اِس سے تعلیم کا نقصان تو ہے ہی، درجے اور مدرسے کا نظم وضبط بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے، معلم کی غیر حاضری، دیر حاضری یا درجے میں تاخیر سے پہنچنے کے نتیجے میں طلبہ کی پوری ایک جماعت کا نقصان ہوتا ہے، دینی اداروں کے اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے اس ضمن میں کوتاہیاں حیرت ناک بھی ہیں اور افسوس ناک بھی، ذمہ دارانِ مدارس اور اساتذہ کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

درجے میں آنے کے بعد استاد کو سب سے پہلے طلبہ کی حاضری لینی چاہئے اور تاخیر سے آنے والوں کو غیر حاضر کرنا اور اگلی حاضری پر اُن پر سختی سے نکیر اور زجر وتوبیخ کرنا چاہئے، اِس سے طلبہ اول وقت میں ہی درجے میں پہنچ جائیں گے، درس کے لیے زیادہ وقت ملے گا، درمیان میں کوئی تشویش نہیں ہوگی اور طلبہ ڈسپلن اور نظام کی پابندی کے عادی بنیں گے، درس کے وقت طلبہ کی آمد ورفت کا سلسلہ بند ہونا چاہئے، کیونکہ دورانِ درس طلبہ کے بار بار آنے جانے سے درس میں کافی تشویش اور پریشانی ہوتی ہے، افکار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، خیالات منتشر ہو جاتے ہیں اور اساتذہ وطلبہ کی توجہ دوسری طرف چلی جاتی ہے۔

دل آزاری سے پرہیز و راحت رسانی کی فکر:

حدیث شریف میں آتا ہے: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ'' یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (ابوداؤد صفحہ نمبر ۲۴۸۱)

مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ قصداً اور عملی طور سے اِس بات کی کوشش کرے کہ میرا رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، بول چال، چلنا پھرنا ایسا ہو جس سے دوسروں کو راحت پہنچے، کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور ذرا بھی ٹھیس نہ لگے، استاد شاگرد کا رشتہ ایسا رشتہ ہے جس میں اِس کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اِس لیے استاد کو چاہئے کہ اِس کا خاص اہتمام کرے کہ اُس کی زبان اور ہاتھ سے بلا وجہ کسی شاگرد کو تکلیف نہ پہنچے، اُس کا دل نہ دکھے، اور اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو بلا جھجھک مناسب اسلوب اور اچھے الفاظ میں شاگرد سے معذرت کر لینا چاہئے، اِس سے انشاء اللہ دین دنیا دونوں کا فائدہ ہوگا اور علم وعمل میں برکت ہوگی۔

غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول رکھنا:

ایک کامیاب معلم کے اہم ترین اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ غصے کے وقت اپنے نفس پر پورا قابو رکھے، خاص طور سے چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ کو اپنے اندر یہ قوت برداشت زیادہ پیدا کرنا چاہئے اور اِس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر ایسی اعلیٰ صفات پیدا فرما دیں، اگر آپ غصے کے وقت خود پر قابو رکھیں اور طلبہ کو اُن کی غلطی پر بجائے مارنے پیٹنے اور سزا دینے کے پیار ومحبت سے سمجھائیں تو گویا آپ نے انھیں عملی طور پر اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی، پھر جب یہ شاگرد خود استاد بنیں گے اور والدین بنیں گے تو انشاء اللہ یہ بھی اُس وقت اعلی اخلاق کے حامل اور اپنے لیے اور اپنے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔

ایثار و قناعت اور جهد و جفا کشی:

تدریس کا پیشہ ایثار وقناعت کا طالب ہے، اِس میں کامیابی کے لیے جد وجہد، جفاکشی اور بلند ہمتی والوالعزمی درکار ہے، اگر کسی کے اندر یہ اوصاف ہیں تو پھر سمجھئے کہ اُس کا بیڑا پار ہے، ورنہ اس کی زندگی بیکار ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''آپ نے جو راستہ منتخب کیا ہے، یا مرضی الٰہی نے آپ کیلئے پسند کیا ہے، وہ معاشی حوصلہ مندیوں اور دنیاوی سربلندیوں کا راستہ نہیں، اِس راستے پر تو پہلے ''قد کنت

فینا مرجواً قبل هذا" (سورۃ ھود:۶۲) اور "أنؤمن لك و اتبعك الأرذلون" (سورۃ الشعراء:۱۱۱) کا طعنہ سننا پڑیگا، اس راستے پر تو "و لا تمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجاً منهم" (سورۃ طٰہٰ:۱۳۱) کا سبق پڑھنا ہی پڑے گا، لیکن اس کا انعام کیا ہے!!! وہ بھی سن لیجیے: "و جعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا، و كانوا بآياتنا موقنين"۔ (سورۃ السجدۃ:۲۴)

محترم اساتذۂ کرام! بیشک ہماری تنخواہیں کم ہیں، جو ہماری بنیادی ضروریات کے لیے بھی ناکافی ہیں، لیکن اگر آپ اِتنی ہی تنخواہوں پر خوش دلی سے قناعت کرلیں اور ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اِن میں خیر وبرکت کی دعا مانگتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے پوری امید ہے، اور یقیناً آپ کو اِس کا تجربہ بھی ہوگا کہ ماشاءاللہ مولویوں کی ضروریات کا انتظام من جانب اللہ کہیں نہ کہیں سے ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اِنھیں معمولی تنخواہوں میں اتنی برکت عطا کردیتے ہیں کہ ہمارے اساتذۂ کرام الحمدللہ بہت سے مال ودولت رکھنے والوں سے بھی اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اطمینان وسکون کی زندگی جیتے ہیں جو بہت سے مال داروں کو بھی حاصل نہیں۔

یہ خصوصیات تو وہ ہیں جو شاگردوں سے زیادہ خود استاد ومعلم کے لیے مفید ہیں اور اُن کا فائدہ شاگردوں سے زیادہ اساتذہ کو پہنچتا ہے، اب ہم آپ کے سامنے چند ایسی خصوصیات پیش کررہے ہیں جن کے فوائد اساتذہ وطلبہ دونوں کو سواء بسواء پہنچتے ہیں، مثلاً:

سمجھانے کا اسلوب:

یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ کسی کو اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کا ڈھنگ آجائے، سلیقے سے بات کرنا جانتا ہو، مختصر الفاظ میں مطلوب ومقصود سمجھادے، مشکل سے مشکل ترین سبق کو سہل ترین بنا کر پیش کردے یا اُس کے خطاب یا بیان سے صحیح بات مکمل طور پر واضح ہوجائے، یہی نعمت جب حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تو اللہ پاک نے اُس کا ذکر یوں فرمایا: "و آتيناه الحكمة و فصل الخطاب" اور ہم نے انھیں حکمت دی تھی اور قوتِ گویائی (یعنی مقدمے کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور قوتِ استدلال کی خوبی)۔ (سورہ ص، پارہ ۲۳، آیت: ۲۰)

یہ صفت، ایک معلم کی وہ صفت ہے جو اُس کی کامیابی وکامرانی کی ضامن ہے، اِس صلاحیت کے حصول کی کوشش ہر استاد کے لیے ایک بنیادی اور اہم چیز ہے، اِس میں جتنی ترقی ہوگی، اُتنا ہی وہ کامیاب مدرس ہوگا، اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنے کیلئے ہر استاد ومعلم کو مندرجہ ذیل باتوں کا اہتمام کرنا چاہئے:

(۱) ہر معلم یہ آیت کریمہ بکثرت پڑھتا رہے: "رب اشرح لي صدري، و يسّر لي أمري، و احلل عقدة من لساني يفقهوا قولي" (سورۃ طٰہٰ: ۲۵-۲۸) اے میرے پروردگار! میرا سینہ کشادہ کردیں، میرا کام آسان کردیں اور میری زبان کی گرہ کھول دیں تاکہ یہ میری بات سمجھ سکیں، اِس قرآنی دعا کا ورد بکثرت کرتے رہیں اور خاص طور پر سبق شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ ضرور اِس دعا کو پڑھ لیں، انشاءاللہ دورانِ درس مضامین کا القاء ہوگا اور زبان میں تاثیر پیدا ہوگی اور طلبہ آپ کے درس سے مطمئن ہوں گے۔

(۲) سبق پڑھانے سے پہلے ذہن میں اُس کی ترتیب قائم کرلیں اور زبان سے آہستہ آہستہ اُس کا اعادہ بھی کرلیں، اِس طرح آپ کا درس انشاءاللہ مرتب ہوگا اور طلبہ پر اُس کا اچھا اثر پڑے گا، خاص طور سے نئے اساتذہ کے لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آج کا دور چونکہ الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے، کیسٹ، سی ڈیز اور ملٹی میڈیا موبائل وغیرہ قسم کی بہت سی سہولیات ہر جگہ بڑی آسانی سے اور ارزاں قیمت پر دستیاب ہیں، لہٰذا اپنا سبق پہلے خود ہی تنہائی میں اِس انداز میں ٹیپ کرلیں گویا درجے میں طلبہ کے سامنے درس دے رہے ہیں، پھر اُس ٹیپ شدہ درس کو سنیں تو اُس کے مالہ وماعلیہ کا اندازہ ہوگا کہ کہاں ہم نے درس کا حق ادا کیا اور کہاں کوتاہی رہ گئی، پھر جو کوتاہی ہو، اُس کی اصلاح کرلیں، چند روز تک ایسا کرنے سے انشاءاللہ آپ ایک کامیاب معلم

بن جائیں گے اور طلبہ آپ کے درس کی خوبیاں آپس میں مزے لے لے کر بیاں کریں گے۔ تجربہ شرط ہے۔

(۳) کسی بھی علم وفن کی تدریس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلبہ خود محنت کریں، مطالعے میں سرکھپائیں، عبارت حل کریں اور مطلب سمجھنے کی کوشش کریں، اور استاد کا کام زیادہ سے زیادہ ان کی تصویب کرنا ہو، ہمارے اسلاف نے اِسی طرز پر تعلیم حاصل کی ہے کہ خود ساری محنت کرتے اور استاد صحیح اور غلط پڑھنے پر صرف ہوں، ہاں کرنے پر اکتفاء کرتے تھے؛ لیکن اِس سے استاد کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی، بلکہ اُس کی ذمہ داری موجودہ دور میں مزید بڑھ جاتی ہے کہ طلبہ کو اِس طرف بہترین انداز اور دلچسپ طریقے پر توجہ دلائے اور اُن سے زیادہ سے زیادہ کام لے اور جہاں کوئی عبارت مشکل ہو اور طلبہ کی سمجھ میں خود سے نہ آرہی ہو تو وہاں خود ہی مطلب کی تقریر کر کے عبارت سمجھا دے، اِس کے لیے استاد کو اپنے مضمون سے لگاؤ اور موادِ مضمون سے بخوبی واقف ہونا چاہئے اور اپنی معلومات میں برابر اضافے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، نیز اُسے اپنے بیان میں زور اور دلچسپی پیدا کرنا چاہئے تاکہ طلبہ اُس کی بات دھیان سے سنیں، اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُس کو اپنے علم پر یقین واعتماد ہو، اُس کے پاس پیش کرنے کیلئے واقعی کوئی پیغام ہو اور بات دل کی گہرائیوں سے نکلے۔

(۴) درس کے اختتام پر، اور اگر روزانہ نہ ہو سکے تو کبھی کبھی، طلبہ سے پوچھنا چاہئے کہ اُنھوں نے درس سمجھا یا نہیں؟ اور سمجھا تو کیا اور کتنا سمجھا؟ بعض طلبہ سے بلاتعیین سبق کی تقریر کا اعادہ بھی کرانا چاہئے، اِس سے طلبہ کی ذہنی صلاحیت کا اندازہ ہوگا کہ اُن کے اندر درس کو اخذ کرنے کی کتنی صلاحیت ہے اور پھر آپ اِس کی روشنی میں اپنے طرزِ تدریس اور اسلوبِ تفہیم میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔

(۵) سبق پڑھا لینے کے بعد درجے سے نکلنے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ کر آپ طلبہ کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کریں، ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ صفت رکھی ہے کہ وہ جب کسی بات کو سمجھ جاتا ہے تو اُس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور یہی اِس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بات اُس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی اور اُس کے دماغ نے اُس کو قبول کر لیا، کامیاب معلم طلبہ کے چہروں سے اپنے درس کی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ لگا لیتے ہیں، اگر طلبہ مطمئن ہیں تو اساتذہ کو بھی خوشی ہوتی ہے، اور اگر خدانخواستہ معاملہ اِس کے برعکس ہو تو پھر آپ اِس کو اپنے لیے چیلنج سمجھیں اور پہلے سے زائد محنت کر کے طلبہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں، جو اساتذہ اِس کا خیال نہیں رکھتے، اور صرف درجے میں حاضر ہو جانے اور کسی طرح آگے کا سبق پڑھا دینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں، وہ اکثر طلبہ کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

''احیاء العلوم'' میں حکیم جالینوس کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جالینوس نے اپنے شاگردوں کے سامنے ایک مشکل مسئلے کا درس دیا، درس جب ختم ہوا تو طلباء کافی متحیر تھے اور توجہ کے ساتھ بیٹھے تھے تو اُن سے پوچھا کہ سمجھ گئے؟ وہ کہنے لگے جی ہاں سمجھ گیے، جالینوس نے کہا: میرا خیال ہے کہ تم نہیں سمجھے، اِس لیے کہ "لو فهمتم لظهر السرور على وجوهكم" اگر تم سمجھ جاتے تو تمہارے چہروں پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جاتے، تم اب تک متفکر ومتحیر بیٹھے ہو، اِس کا مطلب ہے کہ مسئلہ پوری طرح واضح نہیں ہوا۔

(۶) تدریس کا مطلب طلبہ کو سمجھانا ہے، نہ کہ اپنی قابلیت کا اظہار، معلم کے پیش نظر ہر وقت یہ حقیقت رہنی چاہئے اور جب یہ بات ہے تو معلم کو چاہئے کہ ہر وہ طریقہ اور تدبیر اپنائے جو اِس مقصد کے لیے معین ہو، اِس سلسلے میں استاد کی آواز کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر استاد کا لہجہ خوش گوار اور میٹھا ہو تو طلباء کو درجے میں اکتاہٹ محسوس نہیں ہوگی بلکہ پورے دھیان سے استاد کا سبق سنیں گے، بعض استادوں کی آواز بہت دھیمی ہوتی ہے تو بعض کی بہت تیز، بعض بڑی تیزی اور روانی سے بولتے ہیں، بعض بہت زیادہ وقفے وقفے سے بولتے ہیں حتی کہ بعض ہر جملے کے آخری لفظ کو ہڑپ بھی کر لیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا

چاہیئے، بلکہ الفاظ اور جملوں کو خوب اچھی طرح اور صاف صاف زبان سے ادا کریں، ٹھہر ٹھہر کر بولیں، دورانِ تقریر مشکل الفاظ آئیں تو اُن کا مترادف بھی بتاتے جائیں، اس معاملے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بولنے کے انداز کو ملحوظ رکھنا استاد کیلئے بے حد مفید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ تو بہت بلند ہوتی، نہ بہت پست، بلکہ درمیانی ہوتی تھی جو کانوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع سے آخر تک منہ بھر کر بولتے تھے، آپ جب بولتے تو جملوں کے آخری الفاظ اور الفاظ کے آخری حروف تک واضح سنائی دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں حسب ضرورت اتار چڑھاؤ بھی ہوتا تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے (یعنی متکبروں کی طرح بے توجہی و بے نیازی کے ساتھ آدھے کٹے الفاظ استعمال نہیں فرماتے) اس طرح اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کی گفتگو اور بیان صاف اور واضح اور دوٹوک ہوتی، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی اور نہ زیادہ اختصار''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ گفتگو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "ما كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يسرد كسردكم هذا، و لكنه كان يتكلم بكلام بيِّن فصل، يحفظه من جلس إليه" کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی گفتگو کی طرح لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بلکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر اِس طرح بات فرماتے کہ ہر مضمون دوسرے مضمون سے ممتاز ہوتا تھا، پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشیں کر لیتے تھے، دوسری حدیث میں ہے: "كان يحدث حديثاً لو عدّه العادُّ لأحصاه"، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات ایسی سمجھا کر اور ٹھہر ٹھہر کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر سننے والا چاہتا کہ آپ کے کلمات اور حروف کا شمار کرے تو اُس کے لیے ممکن ہوتا کیوں کہ آپ کی بات واضح اور صاف ہوتی تھی۔

(۷) اسی طرح معلم، کتاب کی عبارت پہلے کسی طالبِ علم سے پڑھوائے، اور جو اعرابی غلطیاں ہوں، ان کی نشان دہی کر کے اُن کی اصلاح کرائے، پھر خود بھی عبارت پڑھ کر طلبہ کو سنائے، کیونکہ نطق کی صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زبان کو ممکن حد تک اُسی طرح بولا اور پڑھا جائے، اور زیر و بم اور اتار چڑھاؤ میں اور آواز میں اُسی طرز کو اپنایا جائے جو اہلِ زبان کے یہاں معمول بہ ہے، اِس سے طلبہ کو الفاظ کی صحت ادائی کی طرف توجہ ہوتی ہے، اُن کے تصورات کو جلا ملتی ہے، اُن کی توجہ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، جذبات پروان چڑھتے ہیں اور زبان کے مختلف الفاظ کے درمیان باریک فرق سے آگاہی ہوتی ہے، نیز استاد کو چاہیئے کہ زبانِ تدریس و آداب پر عبور حاصل کرے اور زورِ بیان اور بلیغ اور دل نشیں اسلوب پیدا کرے اور اسے اہم اور ضروری چیز سمجھے۔

(۸) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ استاد درجے کے طلبہ کی سمجھ کے مطابق تقریر کرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور جملہ ہے: ''كلموا الناس على قدر عقولهم'' کہ لوگوں سے اُن کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات کرو، حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''آداب المعلمین'' میں لکھا ہے: ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا ينبغي للعالم أن يتكلم بالعلم عند من لا يطيقه" (عالم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اُس کی طاقت سے بالاتر ہو)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں: "و منه أن لا يبيِّن للمبتدي من العلم ما هو حظ المنتهي، بل يربي بصغائر العلم قبل كبائره" اور اسی تیسیر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ علوم جو منتہی کے لیے مناسب ہیں، وہ مبتدی سے نہ بیان کرے، بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں

کو بیان کر کے تربیت کرے۔(آداب المعلمین صفحہ ۴۸-۴۹)

(۹) استاد کو اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ اسباق کو تدریجاً اور تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھائے، ایسا نہ ہو کہ سال کا اکثر وقت گپ شپ میں گزار دے اور جب امتحان کا وقت قریب آئے تو جلدی جلدی پڑھائے اور مقررہ نصاب میں سے کچھ پڑھائے اور کچھ چھوڑ دے اور طلبہ سے کہے کہ تم لوگ اِسے خود سے پڑھ لینا اور یاد کر لینا، یا اکثر ایام درجے سے غیر حاضر رہے اور دنیا بھر کے دورے اور سفر کرتا رہے اور اخیر میں آ کر تیزی سے کتابوں کا دورہ کرا دے، ہمارے بعض اساتذہ یہ بھی کرتے ہیں کہ کتاب کا نصاب اگر کم ہے، یا کتاب قدرے آسان ہے تو سال ختم ہونے سے تین چار ماہ پہلے ہی کتاب ختم کرا دیتے ہیں، یا روزانہ گھنٹے کا جتنا وقت متعین ہے، اُس کا نصف یا چوتھائی وقت ہی صرف کرتے ہیں، بعض تو یہ بھی کرتے ہیں کہ ہفتے میں چھ دن اگر گھنٹہ ہے تو محض تین دن ہی درجے میں تشریف لے جاتے ہیں، باقی ایام میں چھٹی کر دیتے ہیں، یہ طریقہ ہرگز صحیح نہیں ہے، طلبہ کو تھوڑا تھوڑا اُن کی قابلیت اور فہم کی صلاحیت کے مطابق پورے وقت اور پورے سال پڑھانا اور سمجھانا چاہئے، دورہ نہیں کرانا چاہئے اور نہ وقت گزاری کر کے اکٹھے زیادہ پڑھانا چاہئے، اسی طرح سبق کو سمجھانے اور معلومات دینے میں بھی استاد کو اعتدال سے کام لینا چاہئے، نہ اتنی کم معلومات دے کہ درس کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہو اور طلبہ کی علمی تشنگی برقرار رہے اور نہ اتنی تفصیل میں جائے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا طلبہ کے لیے مشکل یا ناممکن ہو جائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''میری زندگی کے تجربات'' میں فرماتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہوئے کہ کسی نے مجھے اُس طریقے سے پڑھانے کی کوشش نہ کی جو طریقہ میری اُس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب تھا اور جس کا میں متحمل ہو سکتا تھا۔(آداب المعلمین صفحہ ۴۹)

غور کیجیے تو آج ہر بچے کا یہی المیہ ہے، اکثر اساتذہ کا اندازِ تدریس افراط وتفریط کا شکار ہے، یا تو اساتذہ کی باتیں درجے کے طلبہ کی سطح سے بہت اونچی ہوتی ہیں یا پھر بہت پست اور دونوں صورتوں میں طلبہ اُس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر پاتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود کئی سال پڑھنے کے طلبہ کے اندر صلاحیت نہیں پیدا ہو پاتی اور وہ ''خرجوا کما دخلوا'' کہ جیسے کورے آئے تھے، ویسے ہی کورے کے کورے چلے گئے، کا مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔

اپنے اسی مضمون میں مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں:'' مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں، جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اور کچھ نہ سوچنے والے اساتذہ کی غفلت اور ان کے غلط طریقۂ تعلیم کے چکر میں چار پانچ سال رہ کر بالآخر بیٹھ گیے یعنی عربی تعلیم سے ہٹ گئے اور اتنا طویل عرصہ عربی مدرسے میں پڑھنے کے باوجود بالکل خالی کے خالی رہے، اسی طرح سے معلوم نہیں سیکڑوں ہزاروں ہوں گے جو اِس قسم کے مدرسوں میں اتنا وقت گزار کے اِسی منزل پر بیٹھے ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح طریقے سے اور سوچ سمجھ کو ان کو پڑھایا جاتا تو اِتنے ہی دنوں میں اُن کی آدھی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اُس کو پورا ہی کر کے مدرسہ چھوڑتے''۔(آداب المعلمین صفحہ ۴۹)

(۱۰) عربی زبان وادب کے استاد کو خاص طور سے چاہئے کہ عربی ادب کے فن پاروں، ادبی تخلیقات، صاحب طرز ادیبوں اور مصنفوں کی کتب کا مطالعہ جاری رکھے اور زبان کی گرامر، الفاظ، روزمرہ استعارات وکنایات، تشبیہات سے پوری طرح باخبر رہے، اُسے ضرب الامثال، حکماء کے اقوال، مصطلحات اور اشعار وغیرہ مناسب مقدار میں یاد ہوں اور اُن کا بروقت استعمال جانتا ہو، عربی زبان کا مزاج، رنگ ڈھنگ اور اسلوب و پیرایۂ بیان وغیرہ کی معلومات بھی اُس کو حاصل ہوں، اُس کا اسلوب خوبصورت اور دلکش ہو، اُس کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ مختلف پیرایے میں اپنی بات طلبہ کو سمجھا سکے اور وقت پر مناسب الفاظ اور جملوں کا استعمال کر سکے، اِس کے لیے مستند ادباء کی تالیفات اور اخبار ورسائل وجرائد کا مطالعہ مفید رہے گا، عربی قواعد اور

صرف ونحو و بلاغت وغیرہ پر بھی اُسے عبور حاصل ہونا چاہئے، استاذ کو جس قدر زبان و بیان پر قدرت ہوگی اور وہ اپنی باتوں کو جس قدر مختلف انداز، متعدد اسالیب اور آسان پیرایے میں سمجھانے کی صلاحیت رکھے گا، اُسی قدر وہ تعلیم وتربیت کے میدان میں کامیاب ہوگا۔

(۱۱) عبارت خوانی کے لیے ایک یا چند مخصوص طلبہ ہی متعین نہ ہوں، اور نہ اِس کی اجازت ہو کہ جو چاہے، پڑھے، بلکہ بلاتعیین، استاد روزانہ اپنی صوابدید سے جس طالبِ علم سے چاہے، عبارت پڑھوالے، اِس سے سبھی طلبہ ڈریں گے اور مطالعہ کرکے آئیں گے کہ کہیں ہماری باری عبارت پڑھنے کی نہ آجائے، ورنہ جو طلبہ عبارت خوانی نہیں کریں گے، وہ قواعد (نحو وصرف) کی تطبیق اور الفاظ کی صحیح ادائی میں کمزور رہ جائیں گے اور کتاب صحیح طریقے سے نہیں سمجھ سکیں گے، نیز وہ محنت کرنا چھوڑ دیں گے اور کم ہمتی وبزدلی کا شکار ہوجائیں گے، جس سے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے، اسی طرح عبارت خوانی کے لیے باری مقرر کرنے کے بجائے استاد سب کو روزانہ مطالعہ کرکے آنے کا مکلّف کرے اور ہر روز بدل بدل کر اپنی مرضی سے کسی بھی طالب علم سے عبارت پڑھوائے، یہ طریقہ باری مقرر کرنے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اِس سے سارے طلبہ روزانہ مطالعہ اور عبارت فہمی کے لیے محنت کریں گے، ورنہ باری مقرر کرنے کی صورت میں جس کی باری ہوگی، صرف وہی مطالعہ کرے گا اور باقی طلبہ غفلت سے کام لیں گے۔

(۱۲) نصوص پڑھاتے وقت اُسی موضوع سے متعلق دیگر نصوص سے ان کا موازنہ ومقارنہ بھی - حسبِ ضرورت وحسبِ گنجائش - ہونا چاہئے، اِس سے طلبہ کا ذہن کشادہ ہوگا اور مختلف نصوص میں فرق و امتیاز کرنے کا ملکہ اُن کے اندر پیدا ہوگا، اردو میں ترجمہ کرتے وقت رواں اور سلیس ترجمہ کیا جائے جو عام فہم ہو، مغلق اور گنجلک عبارت میں نہ ہو، اگر موضوع سے متعلق موقعے سے عربی، اردو وفارسی کے اشعار یاد آجائیں تو اُن سے بھی طلبہ کو محظوظ کردیا جائے، اِس سے طلبہ میں شوق اور دلچسپی پیدا ہوگی اور درس میں دلچسپی ہی اُس کی کامیابی کی شاہ کلید ہے۔

(۱۳) تعبیر اور انشاء وغیرہ کے مضامین میں طلبہ کی کاپیاں دیکھنے اور تحریری طور پر اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ خود اُنھیں سے اُن کی لکھی ہوئی انشاء کے جملے ایک ایک کرکے سنے جائیں، ان کی غلطیوں کی نشان دہی کرکے اُن کی اصلاح کی جائے، اسی کے ضمن میں نحوی اور صرفی قواعد کی مشق بھی کرائی جائے، پھر استاد خود اپنی طرف سے اُن جملوں کی عربی کبھی جملہ اسمیہ کی شکل میں، کبھی جملہ فعلیہ کی شکل میں، اور کبھی کسی اور شکل میں، غرض متعدد طریقوں سے اُس کی عربی بنا کر مشق کرائے، اس سلسلے میں تختۂ سیاہ کی بھی مدد لی جائے تو بہتر ہے۔

(۱۴) ایک استاد کو باہمت اور بارعب ہونا چاہئے تاکہ وہ پوری جرأت اور اطمینانِ قلب کے ساتھ طلبہ کو کلاس میں پڑھا سکے، اُن کے اخلاق و عادات کی اصلاح کرسکے، ان کے اعتراضات اور سوالات کے جواب دے سکے، اُن کے ساتھ بحث ومباحثہ کرسکے، اُس کے رعب کی وجہ سے طلبہ مطالعہ کرکے اور سبق وآموختہ یاد کرکے آئیں اور ہوم ورک وغیرہ کرنے میں سستی نہ کریں، اُس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھیں اور ادارے کے اصول وضوابط کی پابندی کریں، اِسی کے ساتھ معلم کو بڑا ہی خوش اخلاق، صابر، ملنسار اور خوش طبع بھی ہونا چاہئے، اُسے طلبہ کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی اور نرمی سے پیش آنا چاہئے، اُنھیں اپنے بچوں کی طرح سمجھنا چاہئے اور اُن کے ساتھ شفقت ومحبت کا سلوک کرنا چاہئے۔

آخر میں جناب قیصر شمیم صاحب وائس چیرمین، مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ کی یہ تحریر بھی گوش گزار کرلیں اور پھر خود فیصلہ فرمائیں کہ ہمارا لقب کیا ہونا چاہئے، وہ لکھتے ہیں: ’’عام طور سے استاد کو ’’معمارِ قوم‘‘ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن استاد اگر غفلت شعار ہو اور اپنے فرائض منصبی دیانت داری سے انجام نہ دے تو لوگوں کو اسے ’’معمارِ قوم‘‘ کہنے کے بجائے ’’غارت گرِ قوم‘‘ یا ’’تخریب کارِ قوم‘‘

کہنے میں دیر نہیں لگتی''۔(مقدمہ استاد ایک عظیم شخصیت مرتبہ عبد الودود انصاری صفحہ ۷)

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا یہ معاشرہ اجتماعی معاشرہ ہے اور معاشرے کا کوئی طبقہ ہو، دوسرے طبقات کے ساتھ اُس کا ایسا رشتہ ہوتا ہے جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، یہی حال استاد اور شاگرد کا بھی ہے، اگر اساتذہ کے حقوق اُن کے شاگردوں پر ہیں تو طلبہ کے حقوق اساتذہ پر بھی ہیں اور جب تک یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کے حقوق اچھی طرح ادا نہیں کریں گے، تب تک ان کے اجتماع کے مثبت نتائج نکلنے مشکل ہیں۔

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ ''آداب المعلمین''میں کیا خوب لکھتے ہیں جو بصیرت افزا بھی ہے اور چشم کشا بھی، آپ بھی پڑھیں اور غور کریں کہ ہم سے کہاں چوک ہورہی ہے، مولانا لکھتے ہیں:

''آج کل کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ ہر شخص کو یہ تو یاد ہے کہ میرا حق دوسرے پر کیا ہے، ہر وقت اِس کا مطالبہ ہے، اور نہ پورا ہونے پر اِس کی شکایت کرتا ہے، اور اُس کے اوپر جو دوسروں کے حقوق ہیں، اُن کا دھیان تک نہیں، یہی سبق ہمارے اساتذۂ کرام نے بھی یاد کرلیا ہے، وہ تمام اقوال وقصص اُن کو یاد ہیں، جن سے اُن کا حق شاگردوں پر ثابت ہوتا ہے، اور شاگردوں کے اُن کے اوپر کیا حقوق ہیں، اِس کا انھوں نے کوئی سبق نہیں پڑھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اساتذہ کو جو شفقت اور تعلق تلامذہ سے ہونا چاہئے، اُس کو پورا کرتے رہیں تو شاید ہی کوئی شاگرد ایسا بدنصیب ہو جو استاد کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لیے سعادت نہ سمجھے''۔(آداب المعلمین صفحہ ۵۵)

درس وتدریس کے سلسلے کی یہ چند ضروری اور مفید باتیں تھیں، جو ہم نے اپنے اسلاف اور بزرگوں کے اقوال وملفوظات اور تحریروں سے اخذ کرکے آپ کے سامنے پیش کیں، اگر ہم اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرلیں تو ہماری یہ شکایت دور ہوسکتی ہے کہ طلبہ درس میں حاضر نہیں ہوتے، چھٹیاں کرتے رہتے ہیں، اِس پر غور کریں کہ آخر طلبہ ناغہ کیوں کرتے ہیں، وہ درس پر کسی اور چیز کو ترجیح کیوں دیتے ہیں؟، ہم اپنے درس کو ایسا کیوں بنانے کی کوشش نہیں کرتے کہ طلبہ اُس کے لیے انتظار کریں!!!، آج بھی ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ فلاں استاد کا گھنٹہ میں نہیں چھوڑ سکتا، ہاں فلاں کا چھوڑ دوں گا، اِس لیے کہ فلاں استاد کے گھنٹے میں میرا جی نہیں لگتا اور مزہ نہیں آتا؛ لیکن جہاں تک فلاں استاد کی بات ہے تو میں ان کے گھنٹے میں حاضر رہنے کے لیے ہر چیز کی قربانی دینے کو تیار ہوں۔

مولانا محمد حنیف عبد المجید صاحب نے اپنی کتاب ''مثالی استاد'' میں کیا ہی خوب لکھا ہے: ''مدرسہ یا اسکول یا یونیورسٹی کسی شاندار بلڈنگ کا نام نہیں ہوا کرتا، کسی عالی منزل دار الاقامہ کا نام نہیں ہوا کرتا، بڑے شاندار نام رکھنے سے مدرسہ شاندار نہیں بنا کرتا، مدرسہ تو علمی ذوق رکھنے والے ایسے اساتذۂ کرام جو طلباء میں علمی ذوق پیدا کرسکیں، اُن کی فکر اور کوشش کا نام ہوتا ہے''۔

اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ طلبہ آپ کے پاس امانت ہیں، اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ میں اِس امانت کا حق صحیح ادا کرتا ہوں یا نہیں؟ اور اِس سلسلے میں مجھ سے جو توقعات وابستہ کی گئی ہیں، میں اُن توقعات پر پورا اترتا ہوں یا نہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ'' تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اُس کی ذمہ داری سے متعلق سوال کیا جائے گا کہ ذمہ داری پوری کی یا نہیں؟۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ ہمیں اِس منصب معلّمی کا اہل بنائے اور ہمارے اندر وہ تمام اوصاف اور خوبیاں پیدا فرمائے جن سے ہم اپنے طلبائے عزیز اور معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوں۔

❁❁❁❁❁

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک موقع پر

تعلیم وتربیت کے باب میں نبوت کا اصل کارنامہ

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، ہماچل

ارشاد فرمایا تھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعے سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہہ حیات میں اتارا تھا، وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا اور لرزنے والا، امانت کا پاس رکھنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے، لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایماندار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل فیاض دولت مند ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسئ عدالت پر بیٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار اور منصف جج ثابت ہوتا، اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار نوکر ہوتا اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا''۔

دراصل اساتذہ ہی کی وہ جماعت ہے جس کے پاس فہم واحساس بھی ہے، دور بینی وحقیقت شناسی بھی ہے اور وسائل وذرائع بھی یہ وہ جماعت ہے جسکی ذہانت اور جذبۂ خدمت نے کبھی کسی منزل پر قیام اور کسی لکیر کا فقیر بننا گوارہ نہیں کیا، ان کی نگاہ زندگی کے بدلتے تیوروں سے کبھی نہیں ہٹی، انہوں نے اسلام کی خدمت کے لیے جس زمانہ میں، جس چیز جس طرز اور جس اسلوب کی ضرورت سمجھی بلا تکلف اختیار کر لیا، آج زمانے اور درس گاہ کو ایسے رجال کار اور مخلص اساتذہ کا شدت سے انتظار ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد مکرم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضرت نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیا رویہ تھا؟ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہشاش بشاش اور تر وتازہ رہتے اچھے اخلاق سے پیش آتے، مزاج میں نرمی تھی سخت طبع نہ تھے اور نہ سخت اکھڑ باتیں کہتے، نہ بلند آواز میں باتیں کہتے، نہ بری باتیں کہتے، نہ کسی کی عیب جوئی کرتے، نہ کسی کی بے جا مدح کرتے، جو چیزیں پسند نہ ہوتیں انہیں نظر انداز کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امید لگانے والے مایوس نہیں ہوتے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مایوس ہونے دیتے تھے، اسلئے ایک استاذ کیلئے ضروری ہے کہ وہ شاگردوں پر شفیق ومہربان ہو، ان سے ہمدردی رکھتا ہو اور انکی بے اعتدالیوں کو درگذر کرنا جانتا ہو، اللہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت بیان کی ہے وہ رؤف اور رحیم ہیں صحابہ کرام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین شاگرد ہیں ان میں سے متعدد نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشفقانہ تعلیم دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ زندگی میں ایسا بہترین معلم اور استاذ نہیں دیکھا جو اتنے پیار ومحبت سے سمجھاتا ہو، تعلیم دیتا ہو، غلطیوں سے درگذر کرتا ہو اور بے اعتدالیوں کو معاف کرتا ہو۔

محترم اساتذۂ کرام! جب آپ درسگاہ میں داخل ہوں تو سلام وتحیہ کے بعد ہر بچہ کے چہرہ پر نظر ڈالیے کہ اس وقت اس کی ذہنیت کیا ہے اور وہ کس موڈ میں ہے؟ استاذ بچوں کی دقتوں اور الجھنوں کو از خود سمجھنے کی کوشش کرے کہ بسا اوقات والدین کی جدائی، حالات کی

ابتری، کبھی ذہنی کمزوری بسا اوقات سبق یاد نہ ہونے کے سبب بچہ پریشان اور خائف ہوتا ہے، ایسے موقع پر استاذ کو چاہئے کہ درسگاہ کے ماحول کو پرسکون بنائے دلجوئی، حوصلہ افزائی اور مسکراہٹ سے بچوں کی ہمت بڑھائے۔

اسی طرح درسگاہ پر استاذ کا مکمل کنٹرول ہو خاموشی اور مکمل توجہ کی تصویر ہو، دماغ یکجا ہو منتشر نہ ہو، تعلیم کی اہمیت اور فضیلت اس طرح بتائی جائے کہ یہ شاگرد کے ذہن میں گھل اور رچ بس جائے۔

جو مضمون استاذ پڑھا رہے ہوں ضروری نہیں کہ ہر بچہ سمجھ جائے اس لئے پہلے سمجھدار بچہ سے دئے سبق کو دوہرائے اس سے کم فہم بچہ کی توجہ اپنے سبق کی طرف خود بخود مائل ہوگی، اسی طرح استاذ اپنے شاگرد کو سبق یاد کرنے کا سہل طریقہ مطالعہ کے لئے کتابوں اور مراجع کا انتخاب آئندہ سبق کی تیاری کی رہنمائی کرے، یادداشت میں اضافہ کا حکماء، اطباء اور صلحاء سے کمزوری کے اسباب اور قوت یادداشت میں اضافہ کا حکیمی نسخہ بھی حسن تدبیر سے بتائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ''میرا خیال یہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے عالم کے ذہن سے علمی باتوں کو بھلا دیا جاتا ہے'' یعنی گناہ علم کے بھول جانے کا سبب بنتا ہے اور تجربہ سے یہ بات بالکل مشاہد ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ قوت حافظہ تیز ہونے کیلئے کیا تدبیر اپنائی جائے ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کتابوں کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا جائے اس سے حافظہ مضبوط ہوگا۔

حضرات علماء کرام! ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کو علم دینے کی بجائے ان میں علم حاصل کرنے کی جستجو اور ذوق پیدا کیا جائے، ماہر نفسیات خلیل جبران کے مطابق اچھا استاذ وہ نہیں جو اپنی ذہانت کو طلبہ میں تقسیم کرتا پھرے، بلکہ ہر طالب علم کو خود اس کے اپنے ہی ذہن کی دہلیز پر لا کھڑا کرے تاکہ وہ جان سکے کہ اس کے اپنے ذہن میں کیا ہے۔

مربیان محترم! بچوں کو مارنے سے حتی الامکان گریز کیا جائے کہ بعض بچے اسقدر حساس ہوتے ہیں کہ پٹائی کی وجہ سے ذہنی امراض اور دماغی خلجان میں مبتلا ہو کر ترک تعلیم اور کبھی تاب نہ لاکر لاپتہ ہوجانے کی راہ اختیار کرلیتے ہیں، اس لئے کامیاب استاذ کی پہچان یہ ہے کہ وہ مارنہیں، پیار کا کامیاب ترین نسخہ استعمال کرتا ہے۔

غصہ اور طیش میں آکر کبھی بچوں کو سزا نہ دے کیونکہ کوئی غصہ میں بھرا ہوا حکیم مریض کے مرض کو ختم نہیں کرسکتا، غصہ میں دل قابو میں نہیں رہتا، جب استاذ کا دل ہی قابو میں نہیں تو وہ شاگرد کو کیسے اپنے قابو میں لاسکتا ہے اس میں تو اور خرابی کا اندیشہ ہے:

نصیحت بری طرح ناصح ❁ اور اک بس ملا دیا بس

''تجربہ ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے ہی اس میں سوراخ کردے جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مارپیٹ سے چھلنی کردے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا''۔

یاد رکھئے! چھوٹے بچوں کے دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی برا ہے کہ جیسا نرم و نازک پودے پر بادصرصر کا تند جھونکا یا پھولوں پر لو کا چلنا، طالب علم کے ساتھ بد اخلاقی کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے اگرچہ عارضی طور پر فائدہ ہوجائے گا لیکن مستقلاً یہ باعث فتنہ ہے اور اس سے فائدہ کے بجائے الٹا نقصان کا اندیشہ ہے جو استاذ اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ کامل استاذ کہلانے کا مستحق نہیں۔

قرآن کریم میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو خطاب ہے:''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَو كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ''۔ (الآیہ ۱۵۹ سورہ آل عمران پ۴)

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی کی رحمت سے انکے لئے نرم ہوگئے اور اگر بالفرض آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہوجاتے (یعنی اللہ آپ پر اس احسان کا

ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ ہی کا انعام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جو نرمی و ملائمت ہے یہ اللہ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے یہ نرمی دعوت وتبلیغ اور تعلیم کے لئے بہت ہی ضروری ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے'' عاجزی ونرمی اختیار کروجن کو سکھاتے ہو یا جن سے سیکھتے ہو'' حدیث پاک میں ہے'' جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کا مقام بلند کرے گا''۔

ان آیات واحادیث مبارکہ سے حسن اخلاق کی اہمیت وافادیت اوراس کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے خاص کر معلمین کیلئے کہ جن کا مقصد اشاعت دین اور رضائے الٰہی ہے جب وہ خوش اخلاق ہوں گے تو شاگرد کے دل میں ان کی باتیں اور تعلیمات زیادہ مؤثر انداز میں جم جائیں گی، استاذ وہی کامیاب ہے جو شاگرد کے دل ودماغ میں حکمت ودانائی سے شوق ولگن اور تعلیمی طلب وجستجو پیدا کردے۔

اساتذۂ کرام کو شرافت نفسی، علمی اور عملی صلاحیتوں کے ساتھ مشفق والد کی طرح طلبہ سے محبت وشفقت کا برتاؤ اور اپنی عملی زندگی سے بہتر رہنمائی کرنی چاہئے کہ یہ آپ کیلئے رزق حلال، علوم دینیہ کی اشاعت وحفاظت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ آپ کا ملی واخلاقی فریضہ بھی ہے۔

ایک بزرگ کی دعا ہے کہ'' اے اللہ! اساتذہ کرام ومعلمات کو نرمی اور سادگی عطا فرما کر انکی مکمل اصلاح فرمادے کہ اساتذہ ومعلمات نیک ہوجائیں پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرنے والے ہوجائیں''۔

بزرگوں کا ارشاد ہے ماں باپ ذریعہ بنتے ہیں اولاد کو عرش سے فرش پر لانے کا اور اساتذہ تربیت کرکے ان بچوں کو(باعتبار روحانی ترقی کے) فرش سے عرش تک پہنچانے کا اہم وسیلہ، مستقبل کا معمار اور رہنما بنانے نیز ان کے اخلاق و اطوار کے سنوارنے کے ضامن ہوتے ہیں۔

اساتذۂ کرام! استاذ ہونا ایک خیر اور فضل عام کی علامت ہے استاذ کا معلم خیر ہونا ان کے لیے باعث خیر ہے، اساتذہ کرام شریعت حقہ اور سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پابند ہونگے تو انکے زیراثر ایک بڑی امت، طالبان علوم نبوت اور داعی بن کرا بھرینگے، اسلئے عام طور پر عصری درسگاہوں اور بڑے بڑے کاروباری اداروں میں خدمت انجام دینے والا خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہوا سے کام کی تربیت اور ٹریننگ لینا ضروری ہوتا ہے جبکہ دینی اداروں اور درسگاہوں میں اس کی کہیں اور زیادہ ضرورت ہے نہ جانے اب تک یہ شعبہ کیوں ہماری نظروں سے اوجھل اور بے توجہی کا شکار رہے۔

درست ہے کہ علم پر مہارت اور دسترس ہونا الگ بات ہے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کا ہنر علیحدہ فن ہے جو کسی ماہر تعلیم اور تجربہ کار کی رہبری کے بغیر ممکن نہیں، تربیت تعلیم کا وہ بنیادی عنصر ہے جس کے بغیر تعلیم وتعلم کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسلئے استاذ کیلئے لازم ہے کہ وہ مدرس بننے سے قبل تدریس کے تقاضے، طلبہ کی نفسیات کا ہنر اور طریقہ تعلیم کی ٹریننگ حاصل کرلے تاکہ تعلیم وتربیت کے بہتر نتائج حاصل ہوں۔

حضرت مولانا عباداللہ ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ'' جس مضمون کی تدریس اس کے حوالہ کی جارہی ہے، وہ واقعی اس مضمون میں عبور رکھتا ہو اور اپنے اخلاق وعادات کے اعتبار سے بھی انگشت نمائی سے محفوظ ہو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مضمون پر مناسب محنت کرتا ہو اور اس کے مطالعہ وتحقیق میں ارتقاء اور تسلسل ہو کہ اس کے بغیر وہ اپنے طلبہ کو کما حقہ فیض یاب نہیں کرسکتا''۔

استاذ محترم! طلبہ کی تربیت کے سلسلے میں حضرات سلف صالحینؒ کے واقعات اور ان کے زمانہ طالب علمی کے حالات سنانا بے حد مفید ہے تجربہ سے ثابت ہے کہ طلبہ کی ہر قسم کی حالت درست کرنے میں یہ طریقہ بہت مؤثر ہے، کتاب المدرس میں لکھا ہے کہ دوران سبق خواہ کسی بھی فن کی کتاب ہو طالب علم کیلئے اصلاح کی بات ضرور کیا کریں۔

حضرت امام ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ جب فن حدیث کی تحصیل کیلئے اپنے استاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ شیخ خود ہی اپنا سب کام کرتے ہیں بازار سے سامان لاد کر لاتے ہیں، ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک دکان سے سامان لیا اور دامن میں سب چیزیں لے کر آئے اور

میرے اصرار پر بھی نہ دیا اس وقت ان کی عمر ۷۹ برس تھی۔

ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ (واضع فن نحو) کے حالات میں ہے کہ آخر عمر میں ان پر فالج گرا اور اس کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہوگئے تھے، اس معذوری کی حالت میں بھی پاؤں سے گھسٹتے ہوئے بازار جاتے اور اپنا کام کرلاتے حالانکہ ان کے ہزاروں شاگرد تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس دیتے تھے اور اس وقت آپ کا درس نہایت مقبول تھا اسی دور میں درس سے فارغ ہوکر خود اپنے ہاتھوں سے والد محترم اور بھائیوں کیساتھ اپنے گھر کی تعمیر کا کام بھی انجام دیتے تھے حالانکہ اگر آپ ذرا سا اشارہ بھی کردیتے تو آپ کے سب شاگرد سعادت سمجھ کر اس خدمت کو انجام دیتے مگر آپ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا اور خود اپنی ضرورت پوری فرمائی۔

استاذ کو چاہئے کہ شاگردوں کو عاداتِ بد سے جہاں تک ہوسکے کنایہ اور پیار کی راہ سے منع کرے تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اس لئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کردیتی ہے اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار حریص ہونے کا موجب ہوتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو استاذوں کے استاذ ہیں ارشاد فرماتے ہیں اگر آدمیوں کو مینگنیاں جمع کرنے سے منع کردیا جائے تو ضرور جمع کریں گے اور خیال کریں کہ ہم کو جو اس سے منع کیا گیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بات ہے یہ انسانی فطرت ہے جیسا کہ حضرت آدم وحوا علیہا السلام کا قصہ اس پر شاہد ہے، تعلیم سے زیادہ تادیب کا خیال رکھے کہ خام بنیاد پر عمارت کبھی کھڑی نہیں ہوسکتی۔

حضرت عبدالرحمان بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک حضرت امام مالکؒ کی خدمت کی ان میں اٹھارہ سال آداب واخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور صرف دو سال علم کی تحصیل میں۔

اساتذۂ کرام! شاگرد کی سعادت تو اسی میں ہے کہ اپنے استاذ کی خدمت میں کوتاہی نہ برتے لیکن خود استاذ کو اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہئے بغیر کسی مجبوری کے اپنا ذاتی کام اس سے نہ لے اور اگر بصد مجبوری کبھی کوئی خدمت لے تو کسی طرح اس کی مکافات کردے خدمت کے باب میں بدنی خدمت سے بالکلیہ اجتناب کرے کہ یہ روح وجسم کو لاغر وناتواں کرنے کا نہایت مکروہ طریقہ ہے جو جسمانی اور روحانی امراض کو متعدی کرنے کا ذریعہ بھی ہے نیز اس کا لحاظ رکھے کہ اس قسم کا کام اس سے نہ لے جس کی وہ سہارنہ کرسکے یا اس میں اسکے سبق یا تکرار وغیرہ کا نقصان ہوتا ہو اس لئے کہ جس مقصد کے لئے اس نے وطن چھوڑا ہے جب اس میں حرج واقع ہوگا تو بددلی پیدا ہوگی اور اخلاص کے ساتھ وہ ہرگز کام نہ کرے گا۔

حضرات گرامی! انسانی ارتقاء کا سفر اور موجودہ تمام ترقیات تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ اللہ رب العزت نے قوم وملت کی سربلندی اس کے عروج کا نسخۂ کیمیا ایمان اور علم کو متعین فرمایا ہے، واقعہ ہے کہ انسانی ترقی کی شاہ راہ میدانِ علم سے ہوکر ہی گذرتی ہے۔

تاریخ انسانی کے عظیم اور اول استاذ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو معلم فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کو اس قدر اہمیت دی کہ اس سلسلے کی ادنیٰ کوتاہی کو بھی قابل مواخذہ قرار دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو طبقے اگر سدھر جائیں تو سب لوگ سدھر جائیں گے:

(۱) علماء (۲) صاحب اقتدار۔

مشہور فقیہ علامہ مصطفیٰؒ لکھتے ہیں کہ تعلیم وتعلم میں تقصیر کو اجتماعی جرم قرار دینے کی اولیت کا سہرا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے کیونکہ پوری تاریخ انسانیت میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ تعلیم وتعلم میں قصور کو اجتماعی جرم مانا گیا ہو اور اسپر سزا دینے کی بات کہی گئی ہو۔

سچ ہے کہ قحط الرجالی کے اس دور میں مردم گری اور رجال سازی کی جیسی محنت ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہورہی ہے۔

حضرات اساتذہ! استاذ کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ استاذ اچھے اخلاق پیش کرے کیونکہ استاذ جس قدر حسن

اخلاق کے ساتھ شاگرد کے ساتھ پیش آئے گا شاگرد پر اس کی باتوں کا اسی قدر اثر ہوگا۔

استاذ کو چاہئے کہ علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہو، ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو اس کے ذریعہ ہدایت نہ ہوگی ایسے علم سے جس پر عمل نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے ارشاد ہے:"اللّٰھم انی اعوذ بك من علم لاینفع" (اے اللہ! میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے) صحت مند ملک و معاشرہ اور درسگاہ کیلئے اچھے استاذ کی بیحد ضرورت ہے۔

واقعہ ہے کہ چراغ جس طرح جلائے بغیر روشنی نہیں دیتا علم بھی بغیر عمل کے فائدہ نہیں پہنچاتا حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور عارف باللہ حضرت مولانا وقاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ یہ ہمارے اکابر کے معتمد اور اسلاف کے نمونہ رہے ہیں ان کے چند ملفوظات اور کارآمد فقرے نقل کئے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی اور دوسروں تک یہ پیغام پہنچانے کی سعادت بخشے۔ (آمین)

حضرت شاہ مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ کا فرمان ہے کہ وہ باتیں جن سے عامۃ المسلمین دینی خدام (عالم، مدرس، مبلغ، واعظ، مصلح) سے جلد بیزار ہوجاتے ہیں:

(۱) نماز کی پابندی نہ کرنا۔

(۲) نماز کے رکوع وسجود کو اطمینان سے ادا نہ کرنا۔

(۳) بلاعذر شرعی غیر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا۔

(۴) تراویح میں اجرت لینا۔

(۵) شرعی داڑھی نہ رکھنا۔

(۶) ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی رکھنا۔

(۷) غیبت اور بے جا غصہ کرنا۔

(۸) طمع ولالچ کا اظہار کرنا۔

(۹) اپنی غلطی تسلیم نہ کرنا۔

(۱۰) حق بات کو نہ ماننا۔

(۱۱) مشورہ نہ ماننے پر ناراض ہوجانا۔

(۱۲) حسد کرنا۔

(۱۳) طلبہ کو خلوت میں آنے سے سختی سے روکنا اور ان سے خدمت لینے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

(۱۴) طلبہ کی تادیب ضربی سے حتی الوسع احتیاط کرنا۔

(۱۵) صفائی وستھرائی کا معائنہ بلا اطلاع کرنا۔

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کا ارشاد ہے کہ:

(۱) اساتذہ کیلئے باپ جیسا شفیق، حلیم الطبع، بردبار اور مہر ومحبت کا مجسمہ ہونا لابدی اور بنیادی چیز ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرنا اساتذہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، تاکہ شاگردان کے رنگ میں رنگ جائیں اور امت ان کی اقتدا کرے۔

(۳) اساتذہ کیلئے شاگرد کی خیرخواہی بھی ضروری ہے تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کا ہر قسم کا تعاون اور ان کی ضروریات کا خیال کرنا بھی ضروری ہے۔

(۴) شاگرد کے اوقات کا لحاظ بھی ضروری ہے ان کے اوقات آپ کے پاس امانت ہیں، اس کا خیال رہے کہ انکا کوئی وقت لایعنی کاموں میں ضائع نہ ہو۔

(۵) شاگردوں سے اپنی ذاتی خدمت نہ لی جائے، خصوصاً بدنی خدمت لینے سے احتراز کیا جائے، اپنا کام خود کریں، ورنہ یہ احسان جتلانے میں داخل ہوسکتا ہے، اس کی ممانعت "لاتبطلوا صدقاتکم" میں منصوص ہے۔

(۶) شاگردوں کیلئے علم وعمل کی دعائیں کرتے رہنا بھی خیرخواہی میں داخل ہے۔

مربیان کرام !تعلیم وتربیت کے کلیدی ابواب پیش خدمت ہیں امید کہ ان کو اپنا کر درسگاہوں میں عمدہ تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

بچہ کی مرکزیت: پوری تعلیم میں پیش نظر بچہ رہے اگر استاذ اپنی قابلیت کے اظہار میں بچے کی سطح سے اونچی بات کرے گا تو بچے کے ذہن میں کچھ بھی نہ آسکے گا، ایک حکیم کا مقولہ ہے بچہ کی آنکھ کھولنے کی کوشش کرو اس کی کوشش مت کرو کہ بچہ حیرت سے منہ کھولے، مدرس اگر بچہ کی علمی سطح کی رعایت کے بغیر سبق میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کرتا رہیگا تو بچہ بس منہ کھولے مدرس کو تکتا رہے گا اور اس کو کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا استاذ کی گفتگو بچے کی رعایت سے ہونی چاہئے تا کہ بچہ اسے سمجھ کر فائدہ اٹھائے اور استاذ درسگاہ کی تھکان اور تعب دور کرنے کیلئے بچوں کو خوشدلی اور مسکراہٹ کے ساتھ رخصت کرے۔

امداد باھمی: ہمارا مقصد بچے کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے اور یہ جب ہی حاصل ہوگا جب ہمارے اسباق کا مضمون بچہ پوری طرح جذب کر رہا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب درس میں ان تین چیزوں کا باہمی خیال ہو یعنی بچہ کی صلاحیت کی سطح، اس کے لحاظ سے سبق کا انتخاب اور اسی کے لحاظ سے مدرسین کے پڑھانے کا طریقہ، یہ استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح پڑھائے کہ درس میں تینوں چیزیں مدنظر ہوں۔

تدریجی ترقی: تدریس میں تدریجی ترقی کا لحاظ ضروری ہے اگر آپ بچہ پر یکبارگی اتنا بوجھ ڈال دیں گے جس کا وہ متحمل نہ ہوتو آپ کی محنت رایئگاں ہوجائیگی، بچہ اکتا جائیگا جس سے اس کی ذہن کی ترقی رک جائیگی اور یہ قوم وملت کا بڑا نقصان ہوگا۔

ھمدردانہ رویہ: پڑھاتے وقت طلبہ کے حق میں استاذ کا ہمدردانہ رویہ ہونا چاہئے استاذ کی زبان یا اس کا برتاؤ ایسا نہ ہو کہ کوئی طالب علم سمجھے کہ استاذ مجھ سے شفقت ومحبت نہیں رکھتے۔

رھنمائی اور مشورہ: استاذ کو چاہئے کہ طالب علم کو سبق کے سلسلے میں کسی کام کا براہ راست حکم نہ دے بلکہ جو کام لینا چاہے وہ تدبیروں سے اس کی اہمیت بتا کر اس کی طلب پیدا کرے، پھر خود مشورہ دے اور رہنمائی کرے اس سے طلبہ میں خود اعتمادی پیدا ہوگی۔

ترغیب: ڈرادینے سے زیادہ شوق دلانا ہمیشہ زیادہ مفید رہا ہے طلبہ سے جو کام لینا ہو اس کی ترغیب دیجئے اور شوق پیدا کرائیے، علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی مت بنائیے کہ وہ آپ کے دھکیلنے سے ہی چلے بلکہ انہیں اپنی ہی ذاتی طاقت سے تیرنا سکھائیے، کیونکہ مدرس کا کام ذہن کو ترقی دینا، نیک عادات کو پیدا کرنا ہے نہ کہ بیجا دباؤ کے شکنجے میں جکڑ کر قدرتی ترقی کو روکنا، فطری نشوونما کی راہ مسدود اور بند کرنا۔

دراصل استاذ وہی کامیاب ہے جو شاگرد کے دل ودماغ میں حکمت ودانائی سے شوق ولگن اور تعلیمی طلب وجستجو پیدا کردے۔

آپسی تعلق: منتظمین، مدرسین اور ملازمین سب ہی اپنا ایک وقار رکھتے ہیں ہر ایک کو ایک دوسرے کا احترام لازم ہے آپس میں ایک دوسرے کی بے ادبی سے تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں، اپنا ذاتی وقار بھی مجروح ہوتا ہے اور جس کیساتھ بے ادبی کا معاملہ کیا گیا اس کا وقار بھی خراب کیا اس لئے آپس میں پیار ومحبت سے رہیں ہر ایک کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں، کسی کیساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کریں، بھائی بھائی اور ایک کشتی کے سوار بن کر رہیں، ایک دوسرے کی عمر، رتبہ، عہدہ اور فرق مراتب کا خوب خیال رکھیں سامنے اور غائبانہ میں صرف اور صرف اظہار خوبی کیا کریں۔

شعبۂ تدریس و انتظام میں فرق: استاذ کے ذمہ تعلیمی کام سپرد ہے جو اپنے اندر بیحد وسعت رکھتا ہے اور بیشمار اس کے تقاضے ہیں وہ اگر اپنے شعبہ کو چھوڑ کر شعبۂ انتظام میں دخل دے گا تو یہ چیز اس کیلئے مناسب نہیں، اس کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے شرعاً اخلاقاً، اور قانوناً اس پر یہی ذمہ داری ہے، اہل تدریس خود کو اپنے کارہائے مفوضہ کا پابند بناویں انتظام کو اہل انتظام پر چھوڑ دیں تنقید واعتراض وانشقاق سے زیادہ انقیاد واطاعت کا جذبہ ہو جب تک حرام صریح کا حکم واشارہ نہ ملے اطاعت ہی ضروری ہے واقعہ ہے کہ آج انتظام میں بیجا مداخلت نے اکثر جگہوں کو فتنہ وفساد میں مبتلا کردیا

اورخود بربادی کی نذر ہوکرادارے علمی، تربیتی اورتعمیری افراد پیدا کرنے سے محروم ہوگئے۔

افادہ اور استفادہ: طلبہ کو مانوس کیجئے تاکہ افادہ اوراستفادہ بیش ازبیش ہوسکے ان پر اتنا دباؤ نہ ڈالیں جوضرورت سے زیادہ ہو۔

حکمت عملی اور ذہن سازی: پڑھانے میں حکمت عملی کا طریقہ اختیار کیا جائے اور تعلیم میں بچے کی ذہن سازی کی جائے یعنی جس مضمون کو کتاب میں پڑھانا ہے پہلے بلا کتاب کے اس کو بچے کے ذہن میں مستحضر کردیا جائے تاکہ بچہ کتاب کے مضمون کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرے۔

یادرکھئے! ہر ایک بچہ اپنے اندر ایک خاص قسم کی صلاحیت رکھتا ہے اوراگر بچے کو اس کے فطری رجحان کے مطابق اسی کام میں داخل نہیں کیا جاتا تو یہ اس کی مخصوص ذہنیت پر ظلم عظیم ہوگا، جب تک انسان اپنی اصل جگہ تلاش نہیں کرلیتا وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ماحول کا اثر: یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان کی شخصیت میں اس کے ماحول، سماج، معاشرے اور سوسائٹی کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے اردگرد کی نیکی اور بدی کی فضا سے متاثر ہوتا ہے اس لئے درسگاہ اور احاطہ کا ماحول نہایت پاکیزہ اور باادب ہونا ضروری ہے، اس لئے قیام گاہوں کا عمر کے لحاظ سے عمدہ اور پرکشش نظم تو یہ ہوگا کہ ہر بچہ کیلئے تخت کا انتظام ہو۔

علم کے اصلی پھل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علامہ عبدالرحمان ابن جوزیؒ نے فرمایا ''میں نے دیکھا ہے کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک ومشغولیت قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں اس کی تدبیر یہی ہے کہ اسکے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام وحلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کیلئے کچھ زیادہ سود مند نہیں، قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مؤثر احادیث وحکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے اس لئے کہ ان نقول و روایات کا جومقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا بلکہ ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا، اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے میں نے دیکھا ہے عموماً محدثین اور طلبۂ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی سندِ حدیث اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہوسکتی ہے، حضرات سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کیلئے ملنے جاتی تھی علم سے استفادہ کے لئے نہیں اس لئے کہ یہ طور طریقہ اسکے علم کا اصلی پھل تھا اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ وحدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہّادِ امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو''۔

اساتذہ کرام کے لیے لازم ہے کہ شاگردوں کو دنیا میں جنمی نئی سوچ نئے خیالات، نئے تصورات، نئے رجحانات کا تعارف کرائے اور تقابلی مطالعہ کی روشنی میں حقائق کو واضح کرے اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ حقیقت پسندی اور حکمت عملی کے ساتھ، جمعیت و جماعت، دینی ودعوتی تنظیم سے وابستگی، عملی جدوجہد، نئے پروگراموں کے آغاز سے بہتر پرانے کاموں کی باہمی مشورہ ویکجہتی سے تقویت وتکمیل، ناموافق حالات سے سینہ سپر ہونے کی صلاحیت حوصلہ مندی وکفایت شعاری، جمود وتعطل کے شکار ہونے سے بچانے کی تدابیر، علمی اور روحانی قوتوں کو اینٹ وگارے پر محنت سے بچانے کی نصائح ونگرانی، ابنائے قدیم کی کارکردگیوں پر تربیتی واصلاحی نظر، رفیق کار بنکر خدمات انجام دینے کی ترغیب، والدین، اساتذہ، معاشرہ، مادرعلمی سے جذبۂ ہمدردی، مخلصانہ تعاون اور وفاداری کا سبق سکھانا بھی ضروری ہے۔

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی
ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

❁❁❁

آپ حضرات میں سے جوبھی دین وملت کے کام میں لگے ہوئے

مدارس اسلامیہ اورامت کی زبونحالی

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

ہیں، ان سے درخواست ہے کہ سب سے پہلے اپنی نیتوں کو درست کرلیں، جو بھی محنت ہو، اللہ تعالی کی رضا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہو، جس طرح ہم ذاتی مسائل اور ضرورتوں کا خیال رکھتے ہی، ذاتی ضرورتوں کے پورا کرنے اور ان مسائل کے حل کرنے میں آدمی کو ایک لذت محسوس ہوتی ہے، اگر اس سلسلہ میں کوئی دقت پیش آتی ہے تو اس سے آدمی گھبراتا نہیں اور نہ ہی قدم پیچھے ہٹاتا ہے، بلکہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے بے نیاز ہوکر اس کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالی کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا، اسی طرح ہم کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ دین وملت کا جو لوگ کام کررہے ہیں، اللہ تعالی ان کی محنتوں کو کبھی ضائع نہیں کریں گے: "ان اللہ لایضیع اجر المحسنین، والذین جاھدوا فینا لنھدینکم سبلنا" سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں۔

تقسیم ہند سے پہلے ہمارے مسائل ملک بھر میں ایک طرح کے تھے، لیکن اب بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش ملک کے تین حصوں میں تقسیم ہوجانے کے بعد ہمارے مسائل الگ الگ ہوگئے ہیں، چنانچہ ہم ہندی مسلمانوں کے مسائل اور مشکلات، پاکستان اور بنگلہ دیش سے بالکل علیحدہ ہیں کیونکہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کو نہیں البتہ اسلام کو خطرہ ہے کہیں مغربی انداز فکر سے، کہیں کمیونزم کے نظام سے، کہیں مشرق وسطی کی دولت سے اور کہیں سیاسی انداز سے مگر بحمد للہ علماء کرام زندہ ہیں، مدارس اسلامیہ آباد ہیں اس لئے امید ہے کہ اسلام ہر محاذ پر مقابلہ کرے گا اور کامیاب ہوگا، انشاء اللہ۔

لیکن ہندوستان میں تقسیم کے بعد مسلمانوں کے لئے تباہی پیش آئی اور پورے ملک میں پیش آئی، جان ومال، عزت وآبرو سب کی تباہی لیکن ان سب کے باوجود خدا کا شکر ہے کہ مسلمان زندہ ہیں، اور آج بھی اتنا زندہ ہیں کہ فرقہ پرست جماعتوں اور مسلم دشمن افراد کو مسلم کش فسادات کی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی کیونکہ خون خرابے سے نہ مسلمانوں کو کہیں سے ختم کیا جاسکا اور نہ انہیں پس ہمت بنایا جاسکا۔

لیکن مسلم دشمن طاقتوں نے اب ایک نہیں بلکہ بہت سے محاذ بنالئے ہیں، اور ہر محاذ پر زور شعور سے کام ہورہا ہے، مثلاً:

(۱) ملک کی سب سے بڑی قوم پرور پارٹی کانگریس اور ملک کی سب سے اہم فرقہ پرست گروہ آر ایس ایس ہے، مگر ان دونوں میں بھرت ملاپ ہوگیا ہے، اور فرقہ پرست لیڈر کہتے ہیں کہ کانگریس سے مل کر ہم چند برسوں میں اتنا کام کرلیں گے جو سو برس میں نہیں کرسکتے تھے۔

(۲) فرقہ پرست تنظیم ہندو وشو ہند پریشد کا ایک طبقہ مسلم برادریوں پر حملہ کرکے انہیں ان برادریوں میں واپس پہنچانے کے لئے روپیہ، اقتدار، پنچایت کے ذریعہ جدوجہد کررہا ہے، جس برادری سے وہ منحرف ہوکر اسلام کی طرف آئے تھے، آج کل ان کا سب سے بڑا محاذ راجستھان اور مغربی اتر پردیش اور دور افتادہ پہاڑی قبائل اور جھگی جھونپڑی والے ہیں، جن برادریوں میں اسلام کسی حد تک زندہ ہے، وہ تمام برادری اس حملے سے محفوظ ہے لیکن جو برادری اسلام سے ناواقف ہے وہ اس کا شکار ہورہی ہے، اور ایسا صرف اس وجہ سے ہے کہ حملہ آور پنڈت اور نوین پنڈت اپنی کمزوریوں سے واقف ہیں، اور مسلمان اسلام کی خوبیوں سے کم واقف ہیں۔

(۳) فرقہ پرور پڑھا لکھا طبقہ اسلام پر اس کے اصولوں پر اور اس کی تعلیمات پر حملہ آور ہے، کہیں شور مچاتا ہے کہ اذان زور سے کیوں دیجاتی ہے، کہیں کہتا ہے کہ مسلمان داڑھی کیوں رکھتے ہیں، کسی جگہ آنسو بہاتا ہے کہ قرآن کریم نے کافروں کو جہنمی کیوں کہا ہے، اور کبھی بحث چھیڑتا ہے کہ بھارت میں مسلم پرسنل لاء کیوں ہے، طلاق کا حق عورتوں کو کیوں نہیں ہے، مسلمانوں کو متعدد شادیوں کی اجازت کیوں ہے، یہ اور ایسے ایسے مسائل اٹھا کر یہ طبقہ عدالت میں عوام میں حکومت میں اسلام کی فرسودگی اس کی نامعقولیت اور تنگ نظری کا پروپیگنڈہ کر کے مسلمانوں کو شرمندہ، پست ہمت اور بے آبرو کر کے ان کا بھارت کرن کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے دولت محنت اور ذہانت کا بے پناہ استعمال کرتا ہے۔

(۴) مسلم دشمن پڑھا لکھا طبقہ اصحاب قلم بھی ہے، جو دل آزار کتابیں رسالے اور مضامین لکھ کر دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔

(۵) سب سے بڑا مسلم طبقہ قومی پریس کا ہے جو خبریں اس طرح اس زبان اور ایسی ٹیکنک سے مرتب کرتا ہے کہ عوام کا ذہن مسلمانوں کی طرف سے بدظن ہو جائے یہ طبقہ سب سے خطرناک اور سب سے زہریلا ہے۔

(٦) ایک طبقہ مغربی طرز فکر رکھنے والوں کا کا ہے، وہ ہندو بھی مسلمان بھی، وہ کسی دشمنی سے نہیں، صرف معقولیت پرستی کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے، یہ طبقہ براہ راست اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس لئے کہ وہ مغرب زدہ اسلام کو اصل اسلام سمجھتا ہے، اور جب وہ عقل اور عصری تقاضوں پر پورا نہیں اترتا تو اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے، اور مسلمانوں کو مطعون کرتا ہے، اس طرح سے آج ہندوستان میں اسلام پر ہر طرف سے یورش ہے، اتنی یورش دنیا کے کسی خطے میں بھی اسلام پر نہیں ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ آج کل اسلام ہر طبقہ میں پڑھا ارہا ہے اور خوب پڑھا جارہا ہے، سپریم کورٹ بھی پڑھتا ہے، حکمراں گروپ بھی، دوسری پارٹیاں بھی حتی کہ فرقہ پرست طاقتیں بھی اور دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی قوم اسلام سے ٹکراتی ہے تو اسلام نے اسے فتح کرلیا ہے، کیونکہ اس کے اصولوں کی وسعت اس کے طریقہ کار کی معقولیت اس کے نظام کی مضبوطی متعصب سے متعصب کو مرعوب کردیتی ہے۔

ضرورت صرف اس کی ہے کہ ہمارے ادارے، ہماری درسگاہیں، ہماری جماعتیں اور رہمارے علماء وفضلاء اپنے اپنے حلقہ اثر میں ان مقابلوں کے لئے آمادہ ہو جائیں اور فروعی مسائل میں وقت لگانے کی جگہ اسلام کے دفاع اور اسکی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ زبان کی رکاوٹ ہے، اور اس ملک میں ہماری سب سے بڑی کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ہم نے اردو سے اسلام کو متعارف کرایا مگر ہندی کو اسلام نہیں دے سکے، انگریزی کو اسلام نہیں دے سکے، حالانکہ وہ امت دعوت کی زبان ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ پوری بصیرت اور حد درجہ جدوجہد سے مندرجہ ذیل امور پر کاربند ہوں:

(۱) ایسے علماء تیار کئے جائیں جو مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرسکیں، اور اسے انگریزی وہندی میں منتقل کر کے اسلام کی برتری ثابت کرسکیں۔

(۲) ایسے مقرر وخطیب تیار کئے جائیں جو اسلام کی صداقت، اسلامی اصولوں کی حقانیت اور اسلامی نظام حیات کی معقولیت کو اپنے اور غیروں کے سامنے پیش کرسکیں اور ثابت کرسکیں۔

(۳) ایسے قانون داں پیدا کئے جائیں جو عصری قانون کے ساتھ ہی اسلامی قانون کے اور ان کی تشریحات کے ماہر ہوں اور بوقت ضرورت اسلام کا پورا دفاع کرسکیں۔

(۴) ایسے اہل قلم ابھارے جائیں جو عصری تقاضوں کے مطابق مسلسل کوشش کر کے اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کرسکیں، اور جو حملے کئے جارہے ہیں ان کا بھرپور جواب دے سکیں۔

(۵) ایسے اخبار ورسائل نکالے جائیں کہ عوام کے ذہنوں میں

اسلام کے بارے میں جو تشویش پیدا کی جارہی ہے، اس کا بھرپور جواب دے سکیں۔

(۶) ایسے رہنما کار بنائے جائیں جو گاؤں گاؤں جا کر ان کی زبان میں ان کی معاشرت کے مطابق اسلام سے متعلق جو شکوک وشبہات ہیں دور کئے جائیں خصوصاً راجستھان، علی گڑھ وغیرہ علاقوں میں اور جھگی جونپڑیوں میں جہاں جہاں شدھی کا زور بہت زیادہ ہے، مگر اس کے لئے ہندی کتابچے، انگریزی کتابچے نئے اعتراضات کے جوابات تیار کرنے ضروری ہے، اسی طرح ایسے علاقوں میں بے غرض قسم کے مبلغ، ذاکر وشاغل مبلغ بھیجنے کی ضرورت ہے جو اپنے علم اپنے عمل اور اپنے خلوص سے اسلام کا سکہ جما سکیں۔

(۷) مکاتب کا قیام ایسے علاقوں میں جہاں دینی تعلیمی ادارے نہ ہوں مساجد نہ ہوں، مکاتب قائم کئے جائیں اور بچوں، جوانوں، بوڑھوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اس سلسلہ میں کچھ جماعتیں کام کررہی ہیں، مگر اس طرف جب تک ہمارے ادارے نہیں متوجہ ہوں گے، پڑھے لکھے دشمنان اسلام کا بھرپور مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

دانشواران قوم سے التماس ہے کہ میرے مضمون پر غور فرمالیں پسند آجائے تو زندہ قوموں کی طرح اپنے گردوپیش کو دیکھ کر اپنے جوانوں کی تربیت کی جائے، انہیں مختلف قوموں میں زندہ رہنے، اپنا امتیاز قائم رکھنے اور اپنے مذہب کو فروغ دینے کا حوصلہ بخشا جائے۔

چھپے ہیں بت جو جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

not found.

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۲۰/روپئے
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۵/روپئے
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے
۵- رہنمائے سلوک وطریقت ۲۰/روپئے
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا ۱۰/روپئے
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۳۰/روپئے
۸- التدخین بین الشرع والطب ۲۰/روپئے ۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰/روپئے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ ۱۰۰/روپئے
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۰۰/روپئے
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۰/روپئے
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۰/روپئے
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۰/روپئے
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید ۱۵۰/روپئے
۱۶- مقالات ومشاہدات ۳۰/روپئے ۱۷- مکتوبات اکابر ۳۰/روپئے
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپئے
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰/روپئے
۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ ۲۰۰/روپئے
۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰/روپئے
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰/روپئے
۲۳- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات) ۱۵/روپئے
۲۴- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت ۱۰/روپئے
۲۵- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت ۱۵/روپئے
۲۶- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری ۱۰/روپئے
۲۷- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۰۰/روپئے
۲۸- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ ۲۵/روپئے
۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند ۲۰/روپئے
۳۰- امامت کے احکام ومسائل ۱۰۰/روپئے
۳۱- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۱۰/روپئے
۳۲- اللہ ورسول کی محبت ۲۰/روپئے
۳۳- ماں باپ اور اولاد کے حقوق ۲۰/روپئے
۳۴- عقائد اور ارکان اسلام ۲۰/روپئے
۳۵- Rules of Raising Funds ۱۰/روپئے
۳۶- A Short Biography of Prophet Muhammad ۱۰/روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

رپورٹ

دوروزہ فکری، دعوتی اور تربیتی سیمینار

حافظ عبدالستار عزیزی جنرل سکریٹری مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد

ندوۃ العلماء لکھنؤ ہر سال ملحقہ مدارس کے اساتذہ کو فن تدریس میں مہارت پیدا کرنے کیلئے اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں اچھی کارکردگی پیش کرنے کیلئے اس طرح کے پروگرام منعقد کرتا رہتا ہے جس میں ممتاز ماہرین تعلیم وماہرین نفسیات اپنے قیمتی مقالات پیش کرتے ہیں، چنانچہ امسال ارباب ندوۃ العلماء کے حکم سے اس طرح کا دوروزہ فکری وتربیتی پروگرام مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد ضلع سہارنپور یوپی میں ۲۵ر ۲۶رفروری ۲۰۱۵ء بروز بدھ وجمعرات منعقد ہوا، جس میں ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۵راساتذہ کا وفد شریک ہوا، جوان مؤقر اساتذہ کرام پر مشتمل تھا، مولانا سید صہیب حسینی ندوی صدر شعبہ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا اقبال احمد ندوی سکریٹری دفتر رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ، مولانا کفیل احمد صاحب ندوی ناظر شعبہ مدارس ملحقہ واستاد ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا سید سلمان نقوی ندوی معاون شعبہ مدارس ملحقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ایک طالب علم مولوی محمد اسلم ندوی متعلّم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، اس طرح ان حضرات کی موجودگی میں کل ۶ رنشستیں ہوئیں، جن میں ۱۵رمقالات پیش کئے گئے، اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں چند تجاویز پیش کی گئیں، آخری نشست عوام کیلئے منعقد ہوئی، جس میں اصلاح معاشرہ سے متعلق گفتگو ہوئی، پروگرام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

افتتاحی نشست:

موسم خراب ہونے کی وجہ سے پروگرام کی پہلی نشست ۹ربجے کی بجائے ساڑھے دس بجے مرکز کی مسجد میں شروع ہوئی، جس کی نظامت مولانا محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی نے اور صدارت مولانا سید صہیب حسینی ندوی نے کی، عزیزم محمد شاداب سلمہ کی تلاوت اور محمد سفیان سلمہ کی نعت پاک سے اس کا آغاز ہوا، اس کے بعد مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے رئیس مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، جس میں انہوں نے اولاً تمام آنے والے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، پھر مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا تعارف کرایا، اور مرکز کے کاموں پر اجمالی روشنی ڈالی، پھر سیمینار کے مقالات کے متعینہ عناوین اوران کی ضرورت پر روشنی ڈالی، اس کے بعد مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کے پیغامات مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے پڑھ کر سنائے، حضرت مرشدالامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے پیغام میں تعلیم وتربیت کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی، اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے مکاتیب کے قیام کی طرف توجہ دلائی، اس کے بعد مولانا محمد ناظم ندوی رئیس المعہد الاسلامی مانک مئو نے تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں مختصراً روشنی ڈالی اور پروگرام کی اہمیت بیان کی، مولانا نے فرمایا کہ سماج کی تربیت افراد کی تربیت پر موقوف ہے، مدارس کے اساتذہ طلبہ کے لئے آئینہ ہیں، اس لئے اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اپنے کردار کو ایسا بنائیں جس سے طلبہ پر ان کا الگ الگ اثر دکھائی دے، طلبہ جس طرح کتابوں کو پڑھتے ہیں، اس سے زیادہ استاد کو پڑھتے ہیں، اس لئے اپنے اندر بھی تبدیلی لانی ہوگی اور ایک بہترین استاد کا فرض ادا کرتے ہوئے طالب علموں کی تربیت کی فکر کرنی ہوگی، انہوں نے کہا کہ طلبہ کو نصیحت اوران میں بدلاؤ لانے سے زیادہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اساتذہ خود اپنے آپ کو بدلیں، اس کے

بعد مولانا سید صہیب حسینی ندوی کا صدارتی خطاب ہوا جس میں مولانا نے کہا کہ مدارس اسلامیہ میں تربیت کا فقدان ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں تعلیم وتربیت، تزکیہ واحسان، اور دعوت وتبلیغ کو بعثت نبوی کا مقصد قرار دیا، ارباب مدارس کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ متوجہ کیا، انہوں نے علماء کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اسلام صرف نظری علوم پیش نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم پریکٹیکل سے بھرا ہوا ہے، آج ہم اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہیں لیکن اعمال رسول کی پیروی نہیں کرتے، انہوں نے کہا کہ حسن اخلاق عبادتوں میں سے ایک عظیم عبادت ہے لیکن اکثر لوگ اس سے نابلد ہیں، مولانا نے کہا کہ دین اسلام نیکی اور شرافت کا حکم دیتا ہے، اخلاقی فساد سے روکتا ہے، انسان اپنے دین واخلاق ہی سے بلند ہوتا ہے، مولانا نے طلبہ سے کہا کہ وہ اپنے وقت کی قدر کریں اور دین کے راستے پر چلتے ہوئے بزرگوں کی مجلسوں سے اپنا رشتہ قائم کرکے اکابرین کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنا کر تعلیم حاصل کریں اور اس کے بعد دین کی تبلیغ واشاعت میں اپنا کردار ادا کریں، تعلیم کے ذریعہ قوم کو جہالت کے اندھیروں سے نکالیں، اس کے بعد یہ نشست ختم ہوئی، وقفہ میں چائے کا نظم رہا۔

مقالات کی پہلی نشست:

اس نشست کی ابتداء ۱۲ر بجے عزیزم محمد افضل کی تلاوت اور محمد اسرار کی نعت پاک سے ہوئی، اس کی نظامت مولانا محمد شاکر فروخ ندوی ازہری استاد المعہد الاسلامی مانک مئو نے کی، اور صدارت مولانا محمد ناظم ندوی رئیس المعہد الاسلامی مانک مئو نے کی، اس مجلس میں سب سے پہلے حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی خلیفہ مجاز مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کا پیغام مولانا حمیداللہ قاسمی کبیر نگری نے پڑھ کر سنایا، جس میں حضرت موصوف نے روحانیت، تعلق مع اللہ، ذکر وفکر اور اخلاق حمیدہ اختیار کرنے اور اخلاق رذیلہ کو چھوڑنے کی تلقین کی کہ تعلیم وتربیت اور تدریس میں اس سے نکھار پیدا ہوگا، اس کے بعد مقالات کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں پہلا مقالہ مولانا کفیل احمد صاحب ندوی نے پڑھ کر سنایا، جس کا عنوان تھا ''اساتذہ مدارس کی ذمہ داریاں'' اس میں موصوف نے تفصیل سے بتلایا کہ اساتذہ کو اپنے طلبہ کے اندر علمی جوہر پیدا کرنے کیلئے کن اصول تربیت اور ضوابط کو اختیار کرنا چاہئے، پھر مولانا اقبال احمد ندوی نے ''کامیاب معلم کی خصوصیات'' پر سب سے طویل اور تفصیلی مقالہ پیش کیا، جس میں کامیاب معلم کی ۱۵ر خصوصیات بیان کیں، اگر واقعی معلم ان کو اختیار کرلیں تو وہ ایک کامیاب معلم اور طلبہ کیلئے بہترین مربی ہوسکتا ہے، اس کے شاگردوں میں عبقری اور مثالی شخصیات پیدا ہوسکتی ہیں۔

تیسرا مقالہ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری نے پڑھ کر سنایا، جس میں انہوں نے مدارس اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں بیان کیں اور اپنی زندگی کے تجربات کی روشنی میں ایک لائحہ عمل پیش فرمایا چونکہ موصوف کو مدارس کی ذمہ داری اور اہتمام کا ساٹھ سال سے زیادہ کا تجربہ حاصل ہے، مقالات کے بعد تاثرات کے عنوان سے دو حضرات نے بات کی، جن میں مولانا رسال الدین حقانی ندوی ناظم ادارہ شباب اسلامی دہرہ دون نے مدارس میں اساتذہ وذمہ داران کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی اور صحیح رخ متعین کرنے کیلئے کچھ ہدایات پیش کیں، ان کے بعد الحاج حسین احمد صاحب صدر مسلم ریفارمیٹیو سوسائٹی دہرہ دون نے عربی زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی، اور اپنے تجربات پیش فرمائے، اخیر میں مولانا ناظم ندوی صاحب کا صدارتی خطاب ہوا جس میں اسلامی قانون کے موضوعات پر ہوئی تصنیفات کا ذکر کیا اور اسلامی محققین اور ائمہ مجتہدین کی کامیابیوں اور محنتوں کا ذکر کیا، اور صدر محترم کی دعا پر مقالات کی یہ نشست ختم ہوئی۔

مقالات کی دوسری نشست:

بعد نماز مغرب مقالات کی یہ نشست مرکز کے احاطے میں لگے ہوئے پنڈال میں ہوئی، جس کی ابتداء عزیزم محمد شفاعت کی تلاوت اور عزیزم محمد سفیان کی نعت سے ہوئی. نظامت مولانا محمد انصار ندوی نائب ناظم مرکز الدعوۃ والبحوث الاسلامیہ سہس پور بجنور نے کی اور صدارت مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری نے کی، مقالات کی اس نشست میں سب

سے پہلے مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند کا مقالہ بعنوان'' ہندوستان مین مسلمانون کا نصاب تعلیم'' مولانا محمد ریاض ندوی ناظم مدرسہ فاطمۃ الزہراء جگادھری نے پڑھ کر سنایا، جس میں موصوف نے نصاب تعلیم اوراس کی کتابوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اس کے بعد مولوی محمد اسلم ندوی متعلّم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو نے ''تحریک ندوۃ العلماء پس منظراورضرورت'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، جو ماشاءاللہ بہت جامع اورتحریک ندوہ کا بہترین تعارف تھا، تیسرا مقالہ مفتی عطاءالرحمٰن قاسمی ناظم جامعۃ الشیخ عبدالستارنانکوی نے پڑھ کر سنایا،جس کا عنوان تھا'' دینی تعلیم زندگی کا جزء لاینفک'' جس میں موصوف نے دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت وافادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی، چوتھا مقالہ قاری محمد اکرام صاحب ناظم دارالعلوم صدیقیہ نلہیڑہ روڑکی کا بعنوان'' کامیاب معلم کی خصوصیات'' تھا جس کو عزیزم مولوی سید محمد ریاض ندوی نے پڑھ کر سنایا، موصوف نے معلم کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا، تمام خصوصیات قابل اخذ اور لائق تقلید ہیں، پانچواں مقالہ مفتی محمد رئیس ندوی نے پڑھ کر سنایا، جس کا عنوان تھا'' تحریک ندوۃ العلماء'' اس میں بھی تحریک ندوہ پر اچھی معلومات تھی،اس کے بعد صدرمحترم مولانا محمد عمر صاحب قاسمی کی مختصر تقریراوران کی دعاپر پروگرام ختم ہوا۔

مقالات کی تیسری نشست:

مقالات کی تیسری نشست ۲۶رفروری ۲۰۱۵ء بروز جمعرات کی صبح ۱۰ربجے شروع ہوئی، جس کا آغاز عزیزم محمد شفاعت کی تلاوت کلام پاک اورعزیزم محمد بلال سلمہ کی نعت پاک سے ہوا، نظامت کے فرائض مولانا محمد عابد حسین ندوی ناظم مرکزالامام رحمت اللہ الکیرانوی محمد پوری نے انجام دیئے اور صدارت مولانا کبیرالدین فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا نے فرمائی،جس میں پہلا مقالہ مولانا اصطفاءالحسن کاندھلوی ندوی نے پڑھ کرسنایا،جس کا عنوان تھا'' قرآن فہمی کا تصور اورعصری تقاضہ''،جس میں قرآن فہمی کے سلسلہ میں اچھی معلومات پیش کی گئی، پھرمولانا شاکرفروخ ندوی نے'' مدارس اسلامیہ میں بلاغت سے بے اعتنائی، اسباب وتجاویز'' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا، جو بہت اہم اور جامع تھا، پھرمولانا مطلوب حسن ندوی نے ''موجودہ حالات میں دعوت کا امکان اورتقاضہ'' کے عنوان سے مقالہ پیش فرمایا، اوردعوت کے سلسلہ میں اچھی معلومات پیش کی. پھرمولانا حفیظ اللہ ندوی استاذادارۃ الصدیق بھٹ نے'' کامیاب معلم کی خصوصیات'' پر تفصیل سے روشنی ڈالی، مولانا مفتی محمد ساجد ندوی نے ''موجودہ حالات میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا، اس کے بعد مولانا سید محمد ریاض ندوی نے''موجودہ مدارس کی داخلی اصلاح اورطلبہ کی اخلاقی تربیت'' کے عنوان پرمقالہ پیش کیا،اخیر میں صدرمحترم نے اپنے لکھے ہوئے مقالہ کی روشنی مین خطاب کیا، مقالے کا عنوان تھا''تعلیم وتربیت کے باب میں نبوت کا اصل کارنامہ'' مگر مولانا کا زیادہ تر خطاب زبانی تھا، جس میں انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں گفتگو کی اوراہل مدارس کی ذمہ داری یاد دلائی. او رطلبہ کو کیا کرنا چاہئے اس سلسلہ میں اہم باتیں بتلائیں،مولانا کے بیان پرہی یہ نشست ختم ہوئی۔

تاثراتی نشست:

۱۲ربجے کے قریب تاثرات کی نشست کا آغاز ہوا، جو عزیزم محمد بلال کی تلاوت اورحافظ عبدالستار کی نعت سے شروع ہوئی، نظامت مولانا اصطفاءالحسن کاندھلوی او رصدارت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی مہتمم مدرسہ بیت العلوم پپلی مزرعہ ہریانہ نے کی،اس میں سب سے پہلے پروفیسرافروز عالم گلوکل یونیورسٹی مرزاپور پول نے اپنے تأثرات پیش کئے،جس میں انہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے انضمام پر زوردیا،اس کے بعد مولانا حبیب اللہ قاسمی شیخ الحدیث جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور نے اپنے تاثرات بیان کئے، پروگرام کی اہمیت پرروشنی ڈالی اورکہا کہ ندوۃ العلماء نے تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جوقدم اٹھایا ہے یہ بہت ہی قابل مبارک

یاد ہے، اور اس کا دائرہ وسیع ہونا چاہئے اور جگہ جگہ اس طرح کے پروگرام ہونے چاہئیں، اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے، اس کے بعد مولانا اصطفاء الحسن صاحب نے تمام تجاویز پڑھ کر سنائی پھر صدر محترم کی دعا پر یہ نشست ختم ہوئی، پروگرام کے تمام مقالات انشاء اللہ کتابی شکل میں شائع کئے جائیں گے، پروگرام میں جو تجاویز پاس ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

تجاویز:

الحمدللہ یہ دوروزہ فکری، دعوتی وتربیتی سیمینار اپنے اختتام کو پہنچ گیا، اس علمی مذاکرہ کا اصل فائدہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اس میں پیش کردہ افکار وخیالات، ملفوظات وتحقیقات اور تجربات کو زیر عمل لانے کا ارادہ اور نیت لیکر یہاں سے روانہ ہوں، ورنہ تو یہ ساری قیمتی باتیں ذہن ودماغ اور زبان ولب تک محدود رہ جائیں گی اور اتنا بڑا پروگرام منعقد کرنے کی محنت ومشقت اور اپنا اپنا علمی ودینی اور ملی کام کو چھوڑ کر قیمتی وقت خرچ کرکے اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرکے یہاں آپ کا آنا بے سود ہوجائے گا۔

لہٰذا محسوس یہ ہوتا ہے اور اس طرح کے علمی مذاکروں کی روایت بھی ہے کہ تمام نشستوں میں جو باتیں کہی گئیں ان کا خلاصہ نمبروار تجاویز کی شکل میں یہاں پیش کردیا جائے، تاکہ ذہن نشین ہوسکے، اور بوقت ضرورت اس کا استحضار کرنے میں سہولت ہوجائے:

(۱) اعلی درسگاہوں کے قیام وانصرام کے علاوہ نونہالان قوم اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے مستقبل اور نیک عمل وکردار اور ایمان وعقیدہ کی فکر کی جائے، کیونکہ ان کے ذہن صاف ہیں، ان میں نقوش بھرنا زیادہ آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ پہلے غیر اپنے نقوش ان میں بنادیں، پھر ہم ان کو مٹائیں اور اپنے نقوش بنانے کی کوشش کریں۔

(۲) دیگر اقوام کی اور خاص طور پر ملک میں فرقہ پرست ہم وطنوں کی جو اسلام مخالف کوششیں ہیں ان پر گہری نظر رکھی جائے تاکہ وقت پر ان کا تدارک کرکے ان کو اثر انداز ہونے سے روکا جاسکے۔

(۳) نصاب ہمیشہ تغیر پذیر ہے کیونکہ زمانہ اور اس کی ضرورتیں اور تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا وقت کے تقاضوں کو گہرائی اور بصیرت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ تقاضوں کو موجودہ نصاب پورا کررہا ہے یا نہیں، ان سے بہتر مواد آرہا ہے یا نہیں، اسی کے حساب سے نصاب اور خاص طور پر عربی زبان کے علوم وفنون کے نصاب میں تبدیلی وترمیم کرتے رہنا چاہئے۔

(۴) اساتذہ کو اپنی شخصیت وکردار کا محاسبہ کرنا چاہئے، اور طلبہ کے لئے خود کو آئیڈیل اور نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں بچوں کو سلام کرنا، ان سے شفقت کا معاملہ کرنا، اچھے لب ولہجے میں ان سے باوقار گفتگو کرنا، درسگاہ میں بغیر باری لگائے کسی بھی طالب علم سے عبارت پڑھوانا، درس کے دوران نہ زیادہ بلند آواز اختیار کرنا اور نہ بہت زیادہ پست۔

(۵) مدرسہ میں تعاون قبول کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا کہ معاون اپنی ذات وکردار سے کس قماش کا آدمی ہے، اس کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟ کہیں وہ مدرسہ میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کے لئے تو تعاون نہیں کررہا ہے

(۶) آئندہ اس قسم کے پروگراموں میں علمی تیاری اور مذاکرے میں شرکت کی نیت سے آئیں اور اپنے تعلیمی وتربیتی مسائل میں نیز اپنے افکار وتجربات میں دوسروں کو شریک کریں۔

(۷) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس کا شعبہ ان مدارس کے ذمہ داروں سے رابطہ کرے، جہاں سے دعوت دئے جانے کے باوجود مندوبین نہیں آسکے اور ان سے نہ آنے کی وجہ دریافت کرے اور آئندہ اس بات کو یقینی بنائے کہ تمام ملحقہ مدارس جن کو دعوت دی جاتی ہے ان کے مندوبین کی شرکت ہو۔

(۹) ندوہ کی شاخوں کے ذمہ داروں اور اساتذہ کی کوشش ہونی چاہئے کہ ان کا تعلق دیگر تعلیمی نظاموں سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ خوشگوار دوستانہ اور علمی اور اخلاقی بنیادوں پر ہو تاکہ صلاحیتوں اور

تجربوں کا تبادلہ ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(۱۰) اپنے مادر علمی کی تاریخ، تحریک، شخصیات اور اغراض ومقاصد کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہیں، تاکہ مقصد ہمیشہ پیش نظر اور حاصل کرنے کا جذبہ ہمیشہ تازہ رہے۔

(۱۱) عصری علوم جن سے کتاب وسنت کے فہم میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، ان کا مفید مواد مسلم عصری تعلیم یافتہ طبقہ کی مدد سے حاصل کرکے ایک نصاب تیار کیا جائے اور اساتذہ وطلبہ کو ان سے واقف کرانے کا رائج اور مناسب طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۱۲) عوام کو تمام چھوٹے بڑے مدارس سے جوڑنا، مدرسہ کے ذمہ داران اس سلسلہ میں اپنے علاقوں میں وقفہ وقفہ سے دورہ کریں۔

(۱۳) اہل مدارس کو دعوت وتبلیغ سے جوڑنا۔

(۱۴) تمام مدارس کا کسی صاحب دل سے جڑنا۔

(۱۵) تمام علماء حق سے جڑنا۔

(۱۶) ہر مدرسہ میں تحفظ ختم نبوت اور ردعیسائیت کی تیاری کرائی جائے

اس تربیتی پروگرام میں مندرجہ ذیل علاقوں کے ملحقہ مدارس کے اساتذہ نے شرکت کی: رام پور، دہلی، سونی پت، پانی پت، یمنا نگر، بجنور، مظفرنگر، کشمیران کے علاوہ علاقہ کے دیگر مدارس کے اساتذہ کرام وذمہ داران حضرات نے بھی شرکت کی، اس نشست کے ختم پر تشریف لانے والے تمام ملحقہ مدارس کے اساتذہ وذمہ داران چلے گئے۔

عمومی اجلاس:

بعد نماز مغرب عمومی اجلاس ہوا جس کا آغاز عزیزم محمد افضل سلمہ کی قراءت اور عزیزم محمد ذیشان سلمہ کی نعت سے ہوا، نظامت مولانا محمد ساجد حسن ندوی نائب ناظم مرکز الامام رحمت اللہ الکیرانوی نے کی، صدارت مولانا سید صہیب حسینی ندوی نے کی، سب سے پہلے مولانا محمد عابد ندوی کا خطاب پونہ گھنٹہ تک جاری رہا، جنھوں نے قاری محمد حنیف صاحب کے انداز میں بہت اچھا خطاب کیا، اس کے بعد مولانا مطلوب حسن ندوی نے مختصر خطاب کیا، پھر مولانا مزمل نوید نے اپنی تحریر پڑھ کر سنائی، جس میں تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں گفتگو تھی، پھر مولانا عبدالخالق صاحب ندوی کا مختصر خطاب ہوا، پھر اسی طرح مولانا کفیل احمد صاحب ندوی، مولانا سید سلمان نقوی اور مولانا اصطفاء الحسن ندوی کا مختصر خطاب ہوا، اس کے بعد مولانا سید صہیب صاحب ندوی کا تفصیلی خطاب ہوا، جو تقریباً ۲ رگھنٹہ تک جاری رہا، جس میں پہلے مولانا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں اور ان کے حالات پر روشنی ڈالی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں خطاب کیا، پھر اخیر میں اصلاح معاشرہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے سلسلہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی، حاضرین پنڈال میں ٹکٹکی باندھے ہوئے مولانا کے البیلے انداز خطابت سے محظوظ ہو رہے تھے، اور اس طرح دھیان وتوجہ سے سن رہے تھے کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، اور مولانا بڑے پروقار انداز میں گھور گرج رہے تھے، جس سے مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا، ۱۲ ربجے کے قریب مولانا کی تقریر ختم ہوئی، مولانا کی پرسوز اور تفصیلی دعا پر یہ نشست ختم ہوئی، اس کے بعد مرکز کے رئیس مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے تمام حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، حضرت مولانا محمد عمر صاحب اخیر تک تمام نشستوں میں اپنے ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود بیٹھے رہے، پروگرام کے سلسلہ میں مولانا ناظم ندوی رئیس المعہد الاسلامی مولانا شاکر فروخ ندوی اور مولانا واصف مظاہری کا تعاون خاص طور پر رہا، جس سے بہت آسانی ہوئی، اس طرح پروگرام کو کامیاب بنانے میں مرکز کے اساتذہ وطلبہ نے بھرپور حصہ لیا، اور پورے انہماک کے ساتھ شب وروز مشغول رہے، خاص طور سے ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی، مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری، قاری محمد ندیم، قاری توصیف عالم، مولانا احرار احمد قاسمی، قاری محمد طاہر، قاری عبدالحنان، ماسٹر شاہنواز اور تمام طلبائے عزیز نے دل وجان سے محنت کی، اللہ تعالی سب کو خوش رکھے اور سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، شریک ہونے والے اہم حضرات میں مولانا عزیز اللہ ندوی ناظم ادارۃ الصدیق بہٹ، اور مولانا انعام ندوی سہس پوری ہیں۔ ❁❁❁

روداد سفر

حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی کی خدمت میں حاضری

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

۷/مارچ ۲۰۱۵ء بروز سنیچر کی صبح ۱۰/بجے مرکز کے روح رواں مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی معیت میں یمنا نگر (ہریانہ) کے مشہور ومعروف ادارہ اور علم وادب کا گہوارہ ''معہد الرشید الاسلامی'' جگادھری میں جانا ہوا، اس سفر میں مرکز کے جنرل سکریٹری حافظ عبد الستار صاحب عزیزی اور عزیزم عبد اللہ عزیزی سلمہ بھی تھے، ہم لوگ مدرسہ میں تقریباً ساڑھے گیارہ بجے پہنچ گئے، وہاں پہنچتے ہی ادارہ کے ذمہ دار جناب حضرت مولانا ظریف احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ مجاز مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہمارا پرجوش خیر مقدم اور استقبال کیا اور خیر وعافیت دریافت کی، اس کے بعد مولانا نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اتنے میں مفتی صاحب نے کہا کہ ہمارے رسالے کے معاون ہیں، انہوں نے سیمینار میں آپ کا پیغام پڑھ کر سنایا تھا، میں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنا تعارف ان جملوں کے ساتھ کرایا کہ: ''بندۂ ناچیز گورکھپور اور بستی کے درمیان ایک جگہ خلیل آباد ہے، اسی سے متصل ایک گاؤں ''جوری'' ہے، وہیں کا رہنے والا ہے، گزشتہ چند سالوں سے مفتی صاحب کے ساتھ دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے'' اس پر مولانا نے کہا کہ ''جی جی میں بھی اس راستے سے گزرا ہوں، خلیل آباد بڑا اسٹیشن ہے'' خیر مولانا سے اور بہت سی باتیں ہوئی، اس کے بعد ناشتہ ہوا، ناشتہ کے بعد کچھ باتیں حالات حاضرہ پر ہوئیں، اتنے میں ظہر کی اذان ہونے لگی، تو فوراً مجلس برخاست کردی گئیں، سب لوگ ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے، نماز کے بعد باہر صحن میں لگی ہوئی کرسیوں پر کچھ دیر بیٹھے اور مولانا کی باتیں سنتے رہے، اس کے بعد کھانا کھانے کے لئے کہا گیا، ہم لوگ کھانے کیلئے دسترخوان پر گئے، کھانا شروع کردیا، حضرت کا کھانا ان کے گھر سے آیا ہوا تھا جس میں جو کی روٹی اور سادہ کھانا تھا، حضرت مولانا اپنے کھانے میں سے کبھی حافظ عبد الستار عزیزی کی پلیٹ میں، کبھی مفتی صاحب کی پلیٹ میں اور کبھی راقم کی پلیٹ میں کچھ رکھتے تھے، جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہونے لگے تو حضرت نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ''مولانا! یہ کھانا مدرسے کا نہیں ہے، میں نے برجستہ کہا کہ حضرت یہ روٹی (نان) مجھے مدرسے کی لگ رہی ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں یہ روٹی مدرسہ کی ضرور ہے مگر اس روٹی کو میں نے قیمتاً لیا ہے''۔

بہرحال کھانے کے بعد جو مجلس لگی وہ تقریباً دو گھنٹہ تک جاری رہی، جس میں حضرت کی زبان سے جو باتیں راقم نے سنی وہ درج ذیل سطور میں نقل کی جارہی ہیں:

شیخ الہند اور شیخ الاسلام کا ذکر:

آپ کی مجلس میں حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام کا ذکر ہوا، جس میں حضرت نے فرمایا کہ جب انگریزی حکومت نے حضرت شیخ الہند کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے تو آپ کے ساتھ جیل میں مولانا حسین احمد مدنی بھی گئے تھے، جبکہ مولانا مدنی کے بارے میں وارنٹ جاری نہیں ہوا تھا، پھر بھی مولانا مدنی اپنے استاد کی محبت میں خدمت کا جذبہ لئے ہوئے خود جیل میں چلے گئے، مولانا نے فرمایا کہ آجکل ہمارے اندر سے خدمت اور محنت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، جبکہ ہر انسان کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ خدمت اور محنت کے بغیر ترقی کے زینے پر قدم رکھنا بہت مشکل امر ہے، مزید انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کے لئے سخت سردی میں تہجد کی نماز کے لئے گرم پانی کا انتظام کرتے تھے، وہ اس طرح کرتے کہ آپ پوری رات پانی کے لوٹے کو اپنے پیٹ سے لگائے رکھتے اور لوٹے کا پانی بدن کی حرارت کی وجہ سے تھوڑا بہت گرم ہو جاتا، جس کو آپ تہجد کے وقت پیش کر دیتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء گئے تو دیکھا کہ بیت الخلاء میں بہت غلاظت پڑی ہوئی ہے، آپ فوراً باہر آ گئے، مولانا مدنی مزاج شناس تھے اس لئے معاملہ کو بھانپ لیا اور سمجھ گئے، فوراً اٹھے اور جا کر بیت الخلاء کو صاف کر دیا، پھر ایک ساتھی سے کہا کہ حضرت سے کہہ دیجئے کہ اب جا کر حاجت پوری کر لیں، چنانچہ حضرت شیخ الہند جب دوبارہ گئے تو دیکھا کہ بیت الخلاء بالکل صاف ہے، اس وقت سوچنے لگے کہ اس وقت تو بھنگی کے آنے کا بھی وقت نہیں ہے، جب باہر نکلے تو پوچھا کہ کس نے صاف کیا ہے؟ کوئی بولنے کو تیار نہیں، سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں، کسی نے چپکے سے بتلایا کہ حسین احمد نے کیا ہے، اس کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے کہا کہ سب لوگ ہاتھ اٹھاؤ، سبھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا، آپ نے دعاء کی ''اے اللہ! حسین احمد کو پوری دنیا میں چمکا دے''۔

علامہ انورشاہ کشمیری کا ذکر:

حضرت مولانا نے اکابرین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ایک دفعہ دوران درس حضرت مولانا شیخ یونس صاحب نے علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے بارے میں فرمایا کہ ''دنیا میں علامہ انورشاہ کشمیری جیسا شخص ۴۰۰/سال کے بعد پیدا ہوتا ہے''۔

اسی طرح علامہ انورشاہ کشمیری کے قوت حافظہ کے متعلق فرمایا کہ ''ایک مرتبہ مولانا انظرشاہ کشمیریؒ نے اپنے والد ماجد حضرت علامہ انور شاہ کشمیر سے پوچھا کہ آپ کو ایک چیز کب تک یاد رہتی ہے، تو انہوں نے کہا کہ مجھے شادی سے پہلے پڑھی ہوئی ۷۰/سال تک اور شادی کے بعد ۳۵/سال تک یاد رہتی ہے'' نیز دوران گفتگو مولانا نے کہا کہ جب جاپان نے ''ہیروشما'' پر بمباری کی تو قاری طیب صاحب نے کہا کہ حضرت کہیں ہماری لائبریری پر حملہ کر کے اس کو نہ ضائع کر دیا جائے، تو انہوں نے کہا کہ ''کوئی بات نہیں، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں لائبریری کی ساری کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہوں''۔

ملاعبدالکریم کا ذکر:

حضرت مولانا نے فرمایا کہ ''جب میں فارغ ہو کر آیا، اس وقت پورے جگادھری میں کوئی عالم نہیں تھا، اس لئے مجھ سے ملا عبدالکریم صاحب نے کہا کہ ''ظریف! میرے بعد تمہیں یہ سب کام کرنا ہے، جو میں کر رہا ہوں'' چونکہ ملاعبدالکریم صاحب نے اپنی پوری زندگی لوگوں کی اصلاح کے لئے وقف کر رکھی تھی، جگہ جگہ مساجد کی تعمیر اور اس کی آبیاری کے لئے ہمہ وقت لگے رہتے تھے، ایک دفعہ ملاجی نے کہا کہ ''مولوی ظریف! میں تو مسجدوں کو کچی بنا تا جا رہا ہوں تو تم ان کو پکی کراتے آنا'' مزید انہوں نے بتلایا کہ ملاجی نے مجھے بہت ساری دعائیں دی تھی، مولانا نے دوران گفتگو ایک بہت قیمتی بات بتلائی کہ بستان الواعظین میں ''کل شیء ھالك الا وجھه'' کی تفسیر میں ''وجہہ'' سے مراد مساجد ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت تک مسجدوں کو آباد رکھے گا، یعنی اس آیت میں مسجدوں کی بقاء کو ثابت کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں طوفان میں کسی جگہ مسجد کے باقی رہنے کا ذکر بھی کیا، اس لئے یہ ناچیز مسجدوں کے بنانے اور اس کے آباد کرنے میں لگا ہوا ہے، اب تک خدا کے فضل سے بندہ کے توسط سے ۵۰۰/سو سے زائد مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ مزید تعمیر کرانے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولاناعلی میاں ندوی کا ذکر:

حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب میں لکھنؤ ندوہ جاتا تھا، تو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ میری بہت قدر کرتے تھے، اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا علی میاں مجھے ہمیشہ ''مولوی ظریف'' کہہ کر پکارتے تھے، ایسے ہی ایک دفعہ انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ ''مولوی ظریف! میں تجھ سے بہت خوش ہوں، اور تم اس جگہ کے

ہو جہاں سے مجھے سب کچھ ملا ہے، ایک مرتبہ جب حضرت مولانا کے ہریانہ، پنجاب کے سفر کی ترتیب بنائی اور ہر جگہ پروگرام ہوا، حضرت نے سفر کے بعد خوش ہو کر فرمایا کہ ''مولوی ظریف! اگر آپ الیکشن لڑتے تو آپ ممبر پارلیمنٹ بن جاتے؛ لیکن آپ کو تو فقیری ہی میں رہنا ہے''۔

جنات کے بچے کا ذکر:

مولانا نے فرمایا کہ ہم سنا کرتے تھے کہ دیو بند مدرسہ میں جنات کے بچے بھی پڑھتے ہیں، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی، لیکن ایک دن یہ بات مشاہدہ میں آ گئی، دیو بند میں میں بچوں کو تکرار کرایا کرتا تھا، بعض دفعہ امتحانات کے دنوں میں تکرار کراتے ہوئے رات کا اکثر حصہ ختم ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ میں تکرار کرا کر جب اپنے کمرہ میں جانے لگا، ساتھ میں مرشد آباد (بنگال) کا ایک ساتھی جو میرا دوست تھا وہ بھی ساتھ تھا، جب درسگاہ سے باہر نکلا تو دیکھا کہ میرے جوتے پر ایک بچہ اپنا سر رکھ کر سو رہا ہے، یہ ماجرہ دیکھ کر میں حیران ہو گیا، میرے ساتھی نے کہا کہ جانتے ہو یہ کون ہے، میں نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا یہ جن کا بچہ ہے، اس کو یہ کہہ کر اٹھاؤ کہ فجر کا وقت ہو گیا ہے، میں نے جب یہ کہہ کر جگایا تو اس نے میری طرف غور سے دیکھا اور ایک طرف بھاگا، تو میں بھی اس کی طرف بھاگا، تھوڑی دور گیا، تو وہ غائب ہو گیا، تب جا کر سمجھ میں آیا کہ واقعی دیو بند میں جنات کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔

کیجریوال کا ذکر:

آپ کی مجلس میں تھوڑی دیر کیلئے سیاست کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی، حضرت نے کہا کہ آج ہم مسلمان ہیں، لیکن ہم اپنے وعدے کے پکے نہیں ہیں، ہمارے قول و فعل میں تضاد رہتا ہے، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور، انہیں باتوں کو دیکھ کر شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا کہ:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا، کردار کا غازی بن نہ سکا

حضرت نے حکومت کیجر یوال کو شاباشی دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں کیجر یوال سے سبق لینا چاہئے یعنی جو کہو وہ کر کے دیکھاؤ، بلکہ سارے مسلمانوں کا یہی نصب العین ہونا چاہئے، حضرت نے کہا کہ کیجر وال نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھایا، جب سے کیجر یوال کی حکومت آئی تب سے بجلی اور پانی میں لوگوں کو رعایت اور سہولت مل گئی، اور اس کا عوام سے یہی وعدہ تھا کہ جب میں حکومت کی کرسی پر بیٹھوں گا تو بجلی اور پانی میں رعایت دوں گا، لیکن آج ہم اپنے وعدے کو نبھانے میں کتراتے ہیں، ہم صرف گفتار کے غازی ہیں، کردار کے غازی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم ہر جگہ ناکام ہوتے جا رہے ہیں، ہمارے قول و فعل میں حد درجے کا فرق ہے، آج ہمارے اندر سے سچائی اور ایمانداری نکلتی جا رہی ہے، وقت کی پابندی اور محنت و مشقت کا جذبہ سرد پڑتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے ہر شعبہ میں اچھے لوگوں کی کمی ہو رہی ہے، حضرت نے اپنے بارے میں بتلایا کہ ''جب میں قطر میں سرکاری ملازم تھا تو اکیس سال تک مسلسل اپنی آفس میں سب سے پہلے پہنچتا تھا، ایک دن اس کمپنی کا منیجر مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ شیخ ندوی آپ واقعی بہت محنتی اور وقت کے پابند شخص ہیں، اگر آپ جیسے دس پانچ لوگ ہو جائیں تو یہاں کی کایا پلٹ جائے گی''۔

اس کے بعد حضرت سے رخصت ہونے کیلئے اجازت چاہی اور دعا کی درخواست کی تو حضرت نے سب کو دعائیں دیں، راقم نے بھی الگ سے کہا کہ حضرت! آپ میرے لئے خاص طور پر دعاء کیجئے، تو حضرت نے تھوڑی دیر رک کر کچھ پڑھا اور میرے اوپر دم کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بیٹا محنت سے کام کرنا، اس کے بعد ہم لوگ جگادھری میں مولانا ریاض صاحب ندوی کے ادارہ فاطمۃ الزہراء میں تھوڑی دیر کے لئے گئے، اور وہاں سے جٹھلانہ حافظ عبدالرحمٰن کے مدرسہ میں اور پھر قاری سلیم کے مدرسہ اشاعت العلوم تگہراجانا ہوا، واپسی میں ہمارے ساتھ جگادھری سے قاری جمشید مہتمم مدرسہ نورالہدیٰ مجاہد پوری بھی ہو گئے تھے، عشاء کے وقت بفضل الٰہی بعافیت ہم لوگ مدرسہ پہنچ گئے۔

تجزیہ

واسطو .... ایک مختصر تحقیقی تجزیہ

مولانا فخرالدین احمد قادری مؤمن پورہ، ناگپور

فن تعمیر کا وہ شعبہ جس کا بنیادی تعلق ہنود کی کتب قدیمہ (ویدوں) سے ہے ''واسطو'' کہلاتا ہے، ویدوں میں مکانات کی تعمیر کیلئے جابجا کچھ اشارے ملتے ہیں انہیں کو موجودہ دور کے ہندو انجینئرس و آر کے ٹیکٹس نے جمع کیا اور کچھ جدید اختراعات اس کے ساتھ ملائیں اس طرح باقاعدہ ایک فن تیار کر دیا ہے جس کو وہ لوگ ''واسطو شاستر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس فن کی متعدد کتابیں ہندی اور انگریزی زبانوں میں مارکیٹ میں دستیاب ہیں اور کٹر ہندو طبقہ جب بھی مکان یا دوکان کی تعمیر کرنا چاہتا ہے تو انہیں انجینئرس کی خدمات حاصل کرتا ہے جو ''واسطو شاستر'' بھی جانتے ہوں۔

فن واسطو کی کتابوں میں واسطو کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ اس طرح ہے ''تعمیر کا وہ طریقہ جس سے انسان کو اس جگہ رہنے میں آسانی ہو اور سکھ ملے واسطو کہلاتا ہے، اسی تعریف کو تھوڑی تفصیل کے ساتھ کچھ کتابوں میں یوں لکھا گیا ہے'' پانچ بنیادی عناصر (۱) آگ (۲) پانی (۳) مٹی (۴) ہوا (۵) آسمان، ان پانچوں کی ایسی آمیزش ہو جس سے وہ مکان سکھ کا گہوارہ بن جائے واسطو کہلاتا ہے، اسی طرح کی تعریفات تقریبا واسطو کی ہر کتاب میں موجود ہیں، صرف غرض و غایت کو خیال میں رکھ کر یہ تعریفات کی گئی ہیں، اس لئے جامع و مانع نہیں ہیں، واسطو کی اصل تعریف وہی ہے جسے ہم نے سب سے پہلے بیان کر دیا ہے۔

ہندی کی کتابیں جو تعریف کرتی ہیں، اس میں تو ''ہندتوا'' کا کچھ بھی اثر نظر نہیں آتا، لیکن واسطو والوں نے اس فن کو دیوی دیوتاؤں سے جوڑ کر ہندوؤں کا خاص فن بنا دیا ہے، اس کی بنیاد واسطو دیو سے شروع ہوتی ہے، یہ اسے ''واسطو پرش'' بھی کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ''واسطو پوجا'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

کسی بھی قطعۂ ارضی پر جب مکان بنانا چاہتے ہیں تو اس میں ۸۱/ خانے بنا کر ''واسطو پرش'' کو اس طرح بٹھاتے ہیں کہ اس ''واسطو دیو'' کا سر اتر پورب کونے میں ہو اور قدم دکھن پچھم کونے پر بایاں گھٹنا پورب دکھن کونے پر دایاں گھٹنا پچھم اتر کونے پر، درج ذیل نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں:

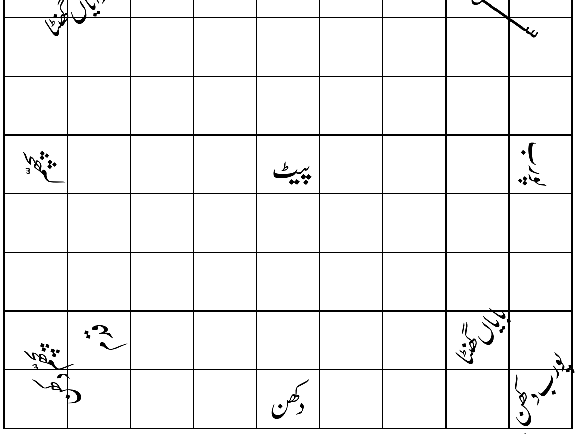

کسی بھی مکان کا نقشہ بنانے کیلئے اسی ''واسطو'' کے ذریعہ قانون سازی کی گئی ہے، مثلاً ان کا ماننا ہے کہ زمین کے جس حصے پر ''واسطو پرش'' کا سر ہو وہاں بیت الخلاء و غسل خانہ نہیں بنانا چاہئے اور جہاں نرم حصہ ہو جیسے پیٹ وہاں کوئی تعمیر نہیں کرنی چاہئے وغیرہ وغیرہ، نیز مکان کی تعمیر کا کام شروع کرنے سے پہلے واسطو دیو کی پوجا کی جاتی ہے، اس طرح یہ فن بُت پرستی اور شرک سے مبرا نہیں رہا، اس لئے مروجہ ''واسطو''

سے مسلمانوں کو بچنا لازمی ہے،''واسطو'' کی متعدد کتابوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ''واسطو'' والے اوہام میں گھرے ہوئے ہیں اور اٹکلوں سے فیصلے کرتے ہیں، ان کی اکثر باتیں بے بنیاد ہیں، مثلاً یہ کیا ضروری ہے کہ واسطوپُرش کا سر صرف اتر پورب کونے ہی پر ہو؟ قطعۂ ارضی کے کسی اور کونے پر سر رکھ کر نقشہ تیار نہیں کیا جاسکتا؟۔

کچھ کتابیں اس کا جواب یہ دیتی ہیں کہ سمتوں میں سمت عالی اتر ہے اور سمت سافل دکھن ہے، اسی لئے سارے نقشہ نگار اتر کو اوپر رکھ کر نقشہ تیار کرتے ہیں، سر علوی چیز ہے اس لئے سمت عالی میں رہنا چاہئے، اس پر بھی اعتراض ہوجاتا ہے کہ پھر اتر پورب کونے ہی میں سر کیوں رہے؟ اتر پچھّم کونے میں واسطوپُرش کا سر رہے تو کیا فرق پڑے گا؟ ایک دلیل سے تو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ یہ کونہ نقشہ نگار کے بائیں ہوتا ہے اور ہندی سنسکرت زبانیں بائیں سے شروع ہوتی ہیں، اس لئے قطعۂ ارضی پر واسطوپُرش کا سر بائیں طرف ہونا چاہئے یعنی پچھّم اتر کونے پر، حالانکہ وہ لوگ دائیں یعنی پورب کونے پر رکھتے ہیں، اس کا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ ہوا کے چلنے کا رخ پورب سے پچھّم کی طرف رہتا ہے اور مکان میں کچھ حصہ ایسا ہونا چاہئے جہاں تازہ ہوا آئے، اسی سر کے حصہ کی طرف تازہ ہوا کا طالب کمرہ بنایا جائے، یہ جواب بھی تار عنکبوت سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ ہمارے ملک کے صرف اتری صوبوں میں ہوا پورب سے چلتی ہے وہ بھی پورے سال نہیں، بحر ہند کے ساحلی علاقوں میں تو ہوا پورے سال پچھّم سے اتر چلتی ہے پھر وہاں ''واسطوپُرش'' کا سر کدھر ہوگا؟، مزید یہ کہ بڑے شہروں میں کئی منزلہ عمارتیں بنتی ہیں، ایک عمارت میں کئی مکانات ہوتے ہیں، وہاں واسطوپُرش کا پیٹ کھلا رکھنا ممکن نہیں پھر واسطوپُرش کا یہ قانون کدھر گیا؟۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ Multi Stories Coplexes کے پورے پلاٹ کے ۸۱/ حصے کئے جائیں گے اور ''واسطوپُرش'' کو بٹھایا جائے گا یا ہر فلیٹ کے ۸۱/ حصے کئے جائیں گے اور ہر فلیٹ میں الگ الگ ''واسطوپُرش'' بیٹھے گا؟ دونوں صورتوں میں متعدد خرابیاں لازم آئیں گی، ان کمزوریوں کو وہ خود بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں اسی لئے خود ''واسطو'' کے ماہرین نے ''فینگ شوئی'' کا سہارا لیا ہے۔

واسطو کی ہر کتاب چار کے بجائے پانچ عناصر کا ذکر کرتی ہے، چار تو وہی ہیں جو اسلامی کتابوں میں مذکور ہیں یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا اور پانچواں عنصر یہ لوگ آسمان کو مانتے ہیں، واسطو کی تعریف میں تو آسمان کو بھی شامل کرلیتے ہیں، لیکن مکان بنانے میں یہ آسمان کو کیسے شامل کریں گے؟ اس طرح بہت سے اعتراضات ایسے ہیں جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں، اگر دیتے بھی ہیں تو نامکمل، غیر تشفی بخش، اسلئے واسطو کے مطالعے سے ہم نے یہ سمجھا کہ یہ فن اوہام سے پُر ہے، واسطو کی معلومات کیلئے مارکیٹ میں جو بھی کتابیں دستیاب ہیں ان میں ایک اور فن جلوہ گر نظر آتا ہے جو چین سے درآمد ہوا ہے، اسے ''فینگ شوئی'' کہا جاتا ہے، غیر مسلم مفکرین کا ماننا ہے کہ جس مکان میں واسطو کی کمزوریاں ہوں اس کو ''فینگ شوئی'' سے دور کیا جاسکتا ہے، اس فن میں بھی اوہام اور اٹکلیں نظر آتی ہیں، مثلاً ان کا قانون ہے کہ گھر میں اگر خوش مزاجی نہ ہو تو ایک ہنستے ہوئے بڈھے کا مجسمہ نمایاں جگہ پر نصب کردینا چاہئے تاکہ ہنستے مجسمہ کو دیکھیں تو خود بھی ہنستے رہیں اس طرح گھر میں خوش مزاجی آجاتی ہے، اس پر عرض ہے کہ جو اپنے گھر میں ہنستے بڈھے کا مجسمہ نصب کرے گا اسے یہ بھی معلوم رہے گا کہ میں نے کس لئے یہ مجسمہ نصب کیا ہے؟ جب بھی اس کو دیکھے گا تو صرف ہنسی ہی نہیں بلکہ نصب کرنے کی وجہ کی طرف بھی یقیناً خیال جائے گا اور جونہی وجہ کی طرف خیال گیا خوش مزاجی کیا آئے گی غموں کا انبار ساتھ لائے گی، اس کا غم تازہ ہوتا چلا جائے گا، اس ہنسی سے کیا فائدہ جو ہزار بار رونا یاد دلائے، مزید یہ کہ وہ ہنستا بڈھا اتنا بدشکل ہوتا ہے کہ چہرہ عجیب سا، توند نکلی ہوئی، بدن پر مختصر کپڑے اگر یہ متعین ہے کہ ہنستے ہوئے بڈھے کی ہنسی کو دیکھ کر انسان ہنسی سیکھے گا تو یہ بھی طے ہے کہ بڑی بدنما توند دیکھ کر توند بڑھانا سیکھے گا، خوشحال ہونے کے باوجود مختصر

کپڑے پہننا سیکھے گا اس طرح اس میں بہت خرابیاں ہیں، سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ جاندار کا مجسمہ اسلام میں حرام ہے، مجسمے کی حرمت تو اتنی متفق علیہ ہے کہ شعاعوں کا بہانہ لے کر ٹی وی کی تصویر کو جائز کہنے والے نیز اہل تشیع جو بغیر جرم کی تصویر جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی جاندار کے مجسمہ کی حرمت کے قائل ہیں۔

اسی طرح تین ٹانگوں والا مینڈ ھک بھی ''فینگ شوئی'' کی اہم چیز ہے نیز ''کوان بن لیڈی'' کے مجسمہ کے ساتھ تو اس کی پوجا کا نظریہ بھی شامل ہے لہٰذا فینگ شوئی بھی اسلام سے متصادم ہے، اس سے بھی بچنا مسلمانوں کو انتہائی لازمی ہے۔

فن تعمیر میں اگر مذہبیت کی آمیزش ہوا اور اسلامی نقطۂ نظر سے کچھ قوانین مرتب کئے جائیں تو یہ ''اسلامی واسطو'' ہوسکتا ہے، چونکہ غیر مسلم جب کسی واسطو داں کی خدمات حاصل کرتے ہیں تو ان سے جڑے ہوئے مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ ہم بھی اپنے مذہب کے اعتبار سے کچھ قوانین پر عمل کریں، اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ کچھ مسلم مفکرین اٹھیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مکمل فن تیار کریں۔

اسلامی واسطوں کا بیان:

انسانی زندگی میں جن واسطوں (اسباب) کو اختیار کرتا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق مکان (گھر) سے ہے، سونے کیلئے گھر چاہئے، کھانا پکتا اور کھایا گھر میں جاتا ہے، پہننے کے کپڑے دھوئے اور رکھے گھر میں جاتے ہیں، اہل وعیال گھر میں رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے گھر اور مکان کے تعلق سے جب بحث شروع ہو رہی ہے تو ہم نے اس فن کا نام ''واسطوں'' رکھا تا کہ مروج واسطو سے یہ نام قریب رہے اور غیر مسلموں کے واسطو واسطو کی رٹ لگانے سے مسلمان احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، الحمدللہ یہ فن ہمارے یہاں بہت اچھی حالت میں صدیوں سے چلا آرہا ہے، جس میں ہر زمانے اور ہر علاقے کے بدلتے ہوئے حالات کیلئے ملائمیت موجود ہے، اسلامی واسطوں کا علم انسان کو غیر عقلی باتوں پر عمل کرنے کیلئے مجبور نہیں کرتا اور فن تعمیر کی کمزوریوں کو ذکر وافکار اور خود انسانی اخلاق وکردار سے ایسے دور فرما دیتا ہے جیسے آٹے میں بال نکال لیا جاتا ہے، اس فن کیلئے پہلے ہم ایک خاکہ تیار کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ اس پر تفصیلی بحث کریں گے۔

میرے علم کی کیا بساط ہے کہ اس تحقیق طلب فن کا کچھ حق ادا کر پاؤں کوئی ایسا صاحب تحقیق اٹھے جو جدت پسندی سے متاثر ہوکر بزرگوں کے طریقے اور ان کی تحقیقات سے منہ نہ موڑے کیونکہ ہمارے بزرگوں نے پیش آئندہ مسائل کو بھی ایسا نکھار دیا ہے کہ بس اب نئی اصطلاحات کے پیرایہ میں بیان کر دینا ہی ہماری ذمہ داری رہ گئی ہے اور یہ کام بھی آسان نہیں ہے ''جدت وحقیقت'' کے درمیان چلنا تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے، رب تعالیٰ اس میں مدد فرمانے والا ہے۔

واسطوں کا ایک خاکہ:

(۱) مکان بنانے کیلئے سب سے پہلے ضرورت ہوتی ہے زمین کی خریداری کی، غیر منقولہ جائداد کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں مکمل قوانین کے کئی ابواب فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

(۲) اگر ایک ہی عمارت میں متعدد مالکان الگ الگ حصوں میں رہنا چاہتے ہوں تو چند امور کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ فقہ کا قانون ہے کہ وہ خرید وفروخت جس میں مبیع (خریدی جانے والی چیز) یا اس کے ضروری متعلقات مجہول ہوں جس سے آئندہ مناقشہ پیدا ہوسکتا ہو جائز نہیں اس لئے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہونی چاہئے (الف) خریدی ہوئی جگہ کی لمبائی چوڑائی اور مجموعی رقبے کی مکمل تفصیلی وضاحت (ب) راستے کی وضاحت (ج) چھت کے استعمال کے حق کی وضاحت (د) پارکنگ کی جگہ کی وضاحت (ہ) اپنی حدود میں دیواروں کو توڑنے یا بنانے کے حق کی وضاحت (و) مشترکہ دیوار کو استعمال کرنے کے حق کی وضاحت (ز) اپنی ملکیت کے بیچنے کے حق کا تعین (ح) پوری عمارت کے خارجی حصے اور اس کے عمومی راستوں اور

پارکنگ کی جگہ کوصاف ستھرا رکھنے کی ذمہ داری کی وضاحت،ان کے علاوہ جن باتوں سے آئندہ مناقشہ ہوسکتا ہے ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔

(۳) زمین خرید لینے کے بعدنقشہ بنائے یا بنوائے بغیرتعمیر کا کام شروع نہ کرے؛ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا نقشہ شہر کے بسنے سے پہلے مدینہ منورہ سے بنا کر بھیج دیا تھا(طبقات ابن سعد)اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی زمین پر اپنے عصائے مبارک سے دیواروں کیلئے نشانات لگادیئے تھے۔(عام کتب احادیث)

(۴) پلاٹ اگر کفایت کرے تو گھر کے بیچ یا پچھواڑے ایک کھلا آنگن رکھے فلیٹ اگرخریدے تو اس میں ایک بڑے سائز کی ٹیرس نما گیلری بھی ہونا چاہئے تاکہ خواتین کوکھلی ہوااور روشنی ملے کیونکہ صحابہ کے مکانوں میں اکثر دوآنگن ہوتے تھے ایک گھر کے سامنے والے حصے میں مردوں کیلئے اورایک گھر کے پچھلے حصے میں عورتوں کیلئے۔

(۵) مکان میں ایک کمرہ ایسا بنائے جونماز اور ذکر وعبادت کیلئے مخصوص ہو، یہ کمرہ ایسی جگہ ہوجس کے قریب خود آپ کا یا پڑوسی کا بیت الخلاء نہ ہو،کمرے کی بناوٹ ایسے ہوجس سے یکسوئی میں مدد ملے۔

(۶) کچن اسٹینڈ اس طرح بنائے کہ کھانا پکانے والی کا رخ قبلہ کی طرف رہے تو بہتر ہے۔

(۷)مہمان خانے کا ڈیزائن اس طرح ہوکہ صوفے اور بیٹھنے والے مہمان کا رخ اندرون خانہ نہ ہو،اسی طرح مہمان خانے سے لیٹرنگ اور باتھ روم اٹیچ ہوتا کہ مہمان کوزنان خانے سے گزرنا نہ پڑے۔

(۸) گھر کا صدر دروازہ ایسا ہوکہ آنے والا اگراہل خانہ میں سے نہیں ہے تو دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہوسکے کیونکہ کسی کے گھر دستک دینے کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت مبارکہ ہے۔

(۹) بیڈروم کا ڈیزائن ایسا ہوکہ اس میں بیڈ پرسونے والے کا سر ایسی جانب ہوکہ دائیں کروٹ سونے پر منہ قبلہ کی طرف ہوجائے (المختصر ہمارے بھارت میں بیڈ کا سرہانہ اتر میں ہونا چاہئے) اور دروازہ ایسی جگہ ہوداخل ہوتے وقت بیڈ پرسونے والے کی کمر سے اوپر والا حصہ سامنے رہے نیچے والانہیں۔

(۱۰)بیت الخلاء کی سیٹ اور باتھ روم کا نل ایسے رخ پرلگائے کہ بیٹھنے والے کا منہ یا پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہو۔

(۱۱)باتھ روم میں موہڑی کا(پانی جانے کا راستہ)ایسی جگہ ہونا چاہئے کہ مستعمل پانی آپ کے پیروں کے پاس جمع نہ ہو۔

(۱۲)اٹیچ باتھ روم کا ڈیزائن ایسا ہوکہ نہاتے وقت سیٹ کی حدود کا پانی نہانے کی حدود میں نہ آئے،اصل تو یہ ہے کہ بیت الخلاء اور غسل خانہ الگ الگ مستقل ہو۔

(۱۳) کسی مناسب جگہ بیٹھ کر وضوکرنے کے لئے دو یا تین نل پر مشتمل ایک وضوخانہ ضرور بنائے۔

(۱۴) صدر دروازہ کے پاس چپل جوتے رکھنے کی جگہ متعین ہونی چاہئے تاکہ آنے جانے والے پہلے سے رکھی چپلوں کوروند کرخراب یا الٹی نہ کریں۔(بشکریہ ماہنامہ ''فیض الرسول''دسمبر۲۰۱۴ء)

مرکز میں دو اہم مہمانوں کی آمد

۵/مارچ بروز جمعرات مرکز میں ملک زامبیا کے شہرلوساکا کے ایک اہم دینی کارکن جناب الحاج عبدالرحیم صاحب گومرا تشریف لائے،انہوں نے مرکز کے نظم انتظام کوسراہا اور اپنی خوشی کا اظہار کیا،ان کے ساتھ مولانا یعقوب پنجابی گودھراوالے بھی تھے۔

۱۲/مارچ بروز جمعرات مرکز میں ولڈ اسلامک فورم لندن کے چیئرمین حضرت مولانا عیسی منصوری صاحب علماء کے ایک وفدکے ساتھ مرکز کے رئیس جناب مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب سے ملاقات کیلئے تشریف لائے،جنہوں نے رئیس مکرم کے ساتھ مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا پھر دوپہر کا کھانا کھایا اور قیلولہ کیا،اس کے بعد جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں طالبات کے سامنے مختصر بیان کیا اور پھر دعا کرائی،اسی طرح مرکز کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے بعد طلبہ کونصیحتیں کیں،اس کے بعد دعا کرائی،مولانا موصوف مرکز کی عمارت کی صفائی ستھرائی سے بہت خوش ہوئے اور مغرب سے قبل رخصت ہوئے۔

مرثیہ

کہاں جاؤں، کدھر جاؤں، سناؤں کس کو غم اپنا

مندرجہ ذیل مرثیہ استاد محترم جناب حضرت مولانا عباس علی صاحب قاسمی ناظم ''مدرسہ عربیہ رحمانیہ نورالعلوم جوری، سنت کبیر نگر'' نے اپنی شریک حیات ''خوشبوالنساء'' کے انتقال پر ملال پر بڑے پرسوز انداز میں قلم بند کیا تھا، مرثیہ دلچسپ اور زبان وادب کا ایک شاہکار ہے، اس لئے قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ (حمیداللہ قاسمی کبیر نگری)

بجا ہے مرگ پر تیری میری یہ اشک افشانی ☆ تیرے غم کی امانت ہے میرے اشکوں کی طغیانی
میرے دل کی تمنائیں ہوئیں رسوا زمانے میں ☆ امیدوں پر میری صدحیف یکسر پھر گیا پانی
ہوئی ناکام میر ی کوششیں بے سود تدبیریں ☆ نہ راس آیا تجھے یہ رنگ بوئے عالم فانی
جبیں ہائے پری رویاں جھکی تھیں تیرے قدموں پر ☆ تھا تیرا حسن عالم تاب رشک حور دہقانی
کروں تعریف کیا تیری، تیرے اوصاف باطن کی ☆ تیرے کردار تھے گویا سراپا روح انسانی
تجھے افسوس کیا لکھوں قلم کو کیسے جنبش دوں ☆ زباں ہے گنگ دل سوزاں میرا لعل بدافشانی
نہ ہوتا گر مجھے کچھ خوف نقادان فطرت کا ☆ تو کہہ دیتا نہ تھا کوئی زمانے میں تیرا ثانی
دبایا تجھ کو باد صرصر ایام نے آکر ☆ ہوا جب وقت تیرے کھلنے کا کلئے گلستانی
مرادوں کی کلی کھل کر سراپا پھول کیا ہوتی ☆ نہ تھی جب میری قسمت میں بہار لطف یزدانی
لکھا تھا تونے سہرا خوب ذوق وشوق سے صادقؔ ☆ نہ بھائی آہ! قدرت کو تمہاری لالہ افشانی
کہاں جاؤں، کدھر جاؤں، سناؤں کس کو غم اپنا ☆ شریک غم تم ہی تھی اپنی اپنی مونس جانی
بتادے خواب میں آکر پرستار محبت کا ☆ کوائف کیا ہیں تیرے راہی سوئے سبشتانی
ملن ہوتا اگر ممکن روان پاک سے تیری ☆ سناتا درد پنہائی، دکھاتا چاک دامانی
جہاں تاریک ہے چھائی ہوئی ہے غم کی بحرانی ☆ کہاں ہے تومیری جان یقیں نور درخشانی
اگر ہوتی ہمیں بھی شاعری وشعر سے نسبت ☆ رلاتی بزم عالم کو ہماری مرثیہ خوانی
میرے اشعار یہ عباسؔ میرے غم کا ثمرہ ہیں ☆ وگر نہ میں کوئی شاعر نہیں سوگند ربانی
مجھے نعم البدل تیرا عطا ہو اور تجھے جنت ☆ بس اتنی آرزو کی تھی یہ سب تمہید طولانی
تیری درگاہ عالی میں خدا مقبول ہوجائے ☆ طفیل سید عالم میرا سوغات روحانی

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: اضواء علی تاریخ الاسلام وثقافتہ فی الہند وباکستان

نام مؤلف: مولانا محمد عبدالرشید ندوی

صفحات: ۶۴/ قیمت: ۵۰/روپئے

ناشر: جمعیۃ مرکزیۃ لتبلیغ الاسلام ۲/۷ ۹۸/ناظر باغ، کانپور (یوپی)

پیش نظر کتاب عربی زبان میں تصنیف کی گئی ہے جس کو مولانا عبدالرشید صاحب ندوی نے اپنے ماجسٹر کے مقالہ کی تمہید کے طور پر لکھا تھا، جوانہوں نے ''جامعۃ الامام محمد بن سعود اسلامیہ ریاض کے کلیۃ اصول الدین لقسم الکتاب والسنۃ'' میں ۱۴۰۰ھ موافق ۱۹۸۰ء میں پیش کیا تھا، مولانا عبدالرشید صاحب اپنے عرض مؤلف میں کتاب کا پس منظر لکھتے ہیں کہ'' میرے مقالہ کا موضوع تھا ''ہندوپاکستان میں تفسیر اور مفسرین چودھویں صدی ہجری میں'' جب میں نے دیکھا کہ عرب لوگ ہندوپاکستان میں اسلام کی تاریخ اور وہاں کے علماء کی عربی زبان اور اردو میں خدمات سے ناواقف ہیں، خاص طور سے اس بات سے کہ علماء ہندوپاک کی تفسیر کے سلسلہ میں کیا خدمات ہیں (تو ان کی واقفیت کے لئے یہ رسالہ لکھا) یہ گزشتہ چودہ صدیوں کا مختصر جائزہ ہے، جس سے قاری علماء ہندوپاک کی علمی خدمات اوران کے علمی وتہذیبی اور ثقافتی ورثے سے مطلع ہوسکے، اور ان کے عربی زبان میں علمی افکار ونظریات سے واقف ہوسکے، اور ایسے ہی ان تمام جماعتوں سے باخبر ہوسکے جو ہندوپاکستان میں پروان چڑھیں اور جنھوں نے عقائد ومعاشرے کے سلسلے میں کچھ کارنامے چھوڑے''۔

کتاب کے مقدمہ نگار حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی لکھتے ہیں کہ ''یہ مختصر رسالہ ہندوستان کی تاریخ کے اسلامی دوراخیر، عروج وزوال کے عہد اور انگریزی سامراج کے ابتدائی دور سے متعلق ہے، جس میں مؤلف نے ان تمام فرقوں اور مذاہب سے تعارض کیا ہے، جو ہندوستان میں آئے، یا پروان چڑھے، قدیم وجدید مذاہب اور فرقے جو یہاں ظاہر ہوئے، اور ایک زمانہ گزر گیا کہ عالم عربی ان کے مکروکید سے نابلد رہا، اور اکثر ان کی تاریخ اور ان کی تخریب اوران کے باطل عقائد وافکار سے ناواقف رہا''

مؤلف محترم نے تاریخی حقائق کی روشنی میں ہندوپاک میں اسلامی ثقافت سے متعلق اس کتاب میں اچھی معلومات پیش کردی ہے، جس کی زبان بھی شستہ اور سلیس ہے، کتاب کے اہم عناوین یہ ہیں:

ہندوپاک میں اسلام کی تاریخ، ہندوپاک میں اسلامی ثقافت، ہندوستان سامراجی دور میں اوراسکے بعد، پاکستان پر ایک نظر، پاکستان کے بنانے میں علماء کا کردار، ہندوپاک میں فقہی مذاہب، ہندوپاک میں اسلامی فرقے اوران کی نشأۃ، بریلوی جماعت، فرقہ شیعہ، فرقہ اہل قرآن، فرقہ قادیانیت، ان تمام موضوعات سے کتاب کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، مؤلف محترم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شعبہ کمپیوٹر کے ذمہ دار ہیں، سرزمین عرب میں ایک طویل عرصہ گزار چکے ہیں، تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے، اس لئے یہ کتاب قابل استفادہ اور بہت اہم معلومات کا کشکول ہے، کتابت وطباعت عمدہ، معیاری، ٹائیٹل خوبصورت اور جاذب نظر ہے، اللہ تعالی مؤلف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نام کتاب: قرآن مجید کی گیارہ سورتیں اور چالیس احادیث نبویؐ

نام مؤلف: مولانا محمد عبدالرشید ندوی

صفحات: ۱۶/ جیبی سائز قیمت: درج نہیں

ناشر: ندوی کمپیوٹر سروسز، ندوی منزل، ندوہ روڈ لکھنؤ ۲۰۶۰۲۰

پیش نظر کتابچہ کے شروع میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ عم پارہ کی دس سورتیں ترجمہ کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، اس کے بعد چالیس چھوٹی چھوٹی احادیث ترجمہ کے ساتھ نقل کی گئی ہیں، مختصر رسالہ ہے، اگر کوئی اس کو پڑھ کر عمل کرلے تو یہ اس کی زندگی کے لئے کافی ہے، اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

نام کتاب: سفر قادیان

نام مؤلف: مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ندویؒ

صفحات: ۷۲/ قیمت: ۴۰/روپئے

ناشر: جمعیۃ مرکزیۃ لتبلیغ الاسلام ۲/۷ ۹۸/ناظر باغ، کانپور (یوپی)

پیش نظر رسالہ فتنہ قادیانیت کے متعلق ایک اچھا تعارفی کتابچہ ہے، فتنہ قادیانیت نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک بغاوت ہے، جو انگریزوں نے اسلام کے خلاف برپا کی تھی، اس فتنہ کے اثرات دور ملکوں میں پھیل رہے ہیں، سادہ لوح مسلمان ان کی چالبازی کے شکار ہوجاتے ہیں اور اپنے عقیدے وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اس سلسلہ میں علماء اسلام ہر زمانے میں انکی سرکوبی کیلئے کوشاں رہے ہیں، پیش نظر رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد اور تجربہ کار عالم دین تھے، انہوں نے اس موضوع پر عملاً کام کیا اور بہت سوں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بنے، اسلام کو جونقصان ہورہا تھا، اس سے بھی اسلام کو بچایا، اللہ تعالی مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے، اوران کی کاوش کو قبول فرمائے، شروع کتاب میں مولانا عبدالرشید صاحب کا ایک مختصر مضمون ''قادیانیت کیا ہے'' بھی شامل ہے، موضوع سے متعلق اچھا کتابچہ ہے، جو لوگ اس موضوع پر پڑھنا چاہتے ہیں اور مرزا قادیانی کے دجل وفریب سے واقف ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب مفید معلوم ہوتی ہے۔

نام کتاب: ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نام مؤلف: ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

صفحات: ۳۲/ قیمت: ۸/روپئے

ناشر: مدرسہ صدیقیہ اسلامیہ پورہ رضاخان، پوسٹ سریٹھا، فیض آباد (یوپی)

میلاد کے نام سے جو مجالس منعقد ہوا کرتی ہیں، ان میں بہت سی خرافات ہوتی ہیں، ڈاکٹر صاحب نے اچھے انداز میں بعض معجزات اور حضور کی سیرت کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کیا ہے، پہلے کچھ منظوم کلام پیش کرتے ہیں، پھر نثر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہیں، جس سے یہ کتاب بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہے، امید ہے کہ قارئین اس کو پڑھ کر اپنی مجالس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں گے اور روحانی کیفیت سے مسرور ومحظوظ ہوں گے، خوبصورت ٹائیٹل، کتابت عمدہ اور طباعت معیاری ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور مؤلف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نام کتاب: آتش عشق

نام مؤلف: مولانا عبدالعظیم معلم ندوی

صفحات: ۷۲/ قیمت: درج نہیں

ناشر: معہد امام حسن البناء شہید، بھٹکل (کرناٹک)

پیش نظر کتاب ایک سچے عاشق حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی حیرت انگیز داستان ہے جو مولانا عبدالعظیم معلم ندوی نے ناول کے انداز میں لکھی ہے، کتاب کا عنوان ''آتش عشق'' ہے، مقدمہ نگار مولانا سید سلمان حسینی ندوی لکھتے ہیں کہ: ''آتش عشق کا عنوان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیلئے نوخیز مصنف نے اختیار کیا ہے، یہ آتش وہ نہیں ہے جس کو نمرود نے بھڑکایا تھا، وہ تو آتش عداوت وانتقام تھی، لیکن لوہا جیسے لوہے کو کاٹتا ہے، ابراہیم کے سینے کے اندر بھڑکنے والی آتش عشق نے اس کی آتش عداوت وانتقام کو ناکام بنادیا، اس عظیم قصے سے کیا کیا سبق لینے ہیں، یہ ایک وسیع موضوع ہے، لیکن آتش عشق خداوندی کو فروزاں کرنے کی تلقین حیات ابراہیمی کا ہر ہر ورق کررہا ہے، پوری دنیا کی امانت وپیشوائی کا جو منصب عظیم ان کو عطا فرمایا گیا تھا، وہ درحقیقت اس آتش عشق کی کارفرمائی تھی'' غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زندگی میں جن ابتلاءات وآزمائشوں سے دوچار ہوئے، جن میں اللہ تعالی نے آپ کو آزمایا اور آپ ان آزمائشوں میں پورے اترے، جسکی وجہ سے آپکی قربانیاں کورہتی دنیا تک اللہ تعالی نے امت محمدیہ کیلئے مشعل راہ بنادیا، ان تمام باتوں پر ناولانہ انداز میں لکھی گئی یہ کتاب بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔

مولانا ناصر اکرمی صاحب ناظم معہد امام حسن البناء شہید بڑی مبارک بادی کے قابل ہیں کہ انہوں نے یہ سلسلہ شروع کیا، جس سلسلہ کی یہ دوسری کڑی ہے، اس لئے کہ پہلے وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق قرآنی قصے کو ناولانہ انداز میں ''زندان سے تخت شاہی تک'' کے نام سے شائع کرچکے ہیں، یہ بھی مولانا عبدالعظیم معلم ندوی ہی کی کاوش ہے، مؤلف کو اللہ تعالی نے زبان وبیان کا اہم ملکہ عطا کیا ہے، وہ بڑی سادگی سے البیلے انداز میں پوری بات نقل کردیتے ہیں، اور قاری پڑھتا جاتا ہے اور عش عش کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ کتاب ختم کرکے ہی دم لیتا ہے، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو قبول فرمائے۔ ❁❁❁